وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۷۷)

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جس میں

ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعینؒ اور تابعیاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے، اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور انکی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

مُرتبہ

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام مولانا مسعود علی ندوی

معارف پریس اعظم گڑھ میں چھپی

۱۹۵۱ء

۷۸۶

فہرست مضامین

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

فہرست اسماء

پیش لفظ

(از مولانا عبد الماجد دریابادی)

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے لیے دلکش ثابت ہو گی، کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازشیں کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں، صدیوں پر صدیاں گذر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہو گئیں، اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہلِ کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کر دیا جائے، یہ سعادت چودہویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند ندوہ کیلئے اٹھ رہی تھی، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر بھی حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے، سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آگئے یہی بہت غنیمت ہیں! ۳۴ صحابی صحابیات ۳۱ تابعی، ۴ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات فراہم ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہ ہوئی، فرط احتیاط سے مؤلف سلمہ خود ہی کچھ رک سے گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دنیا کس طرف جا رہی ہے، روشن خیال دنیا، قلم ہاتھ میں لیے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے، اللہ اور رسول

کے نام کے دیوانے اب بھی ایسے پڑے ہوئے ہین کہ دن رات، اللہ والون، اور اللہ والیون ہی کے حالات کی ادھیڑ بن مین لگے ہوئے ہین، نفع فوری اور صلہ عاجل حاصل ہو یا نہ ہو، "اجر غیر ممنون" کی توقع انھین ——— بنائے رکھنے کے لیے کافی ہے،

شروع کتاب مین عرب مین یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافی نقشے بڑے کام کی چیزین ہین ——— رسالہ بحیثیت مجموعی "بقامت کہتر" ہونے کے ساتھ صحیح معنی مین "بقیمت بہتر" ہے، اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اسکی طبع واشاعت کا سامان بھی اُسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت صحابہ کے سلسلہ مین خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کیے ہوئے ہے،

۲۰/ اپریل ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

وجہ تصنیف | ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا، علامہ زمخشری کی کشاف میں تفسیر سورۂ آل عمران درس میں تھی، مومنینِ اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آئی تو اس کے شان نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلامؓ یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا، جب سورہ کی آخری آیت

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ (الآیۃ)

اہل کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کیگئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کیگئی اس پر یقین رکھتے ہیں،

کی تفسیر شروع ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اصحمۃ النجاشی، اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا، اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں ابتک نظر سے گذر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جب مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے، تو ارباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی وجہ کیا ہے، میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاذ جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب

صاحب سے کیا، انھون نے مذکورہ نامون کے علاوہ دوچار اور نام بتائے، اس وقت مین خاموش ہوگیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس مین یہ حدیث

لو آمن بی عشرۃ من الیہود	اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو انکی
لآمن بی الیہود	کافی تعداد ایمان لے آتی،

سامنے آئی، (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہان بخاری کا درس بھی تھا) مین نے ان سے پھر دریافت کیا کہ کیا دس یہود بھی اسلام نہین لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامیابی اور بے اثری کی دلیل ہے، کہ اس نے اہل کتاب مین کوئی مقبولیت حاصل نہین کی جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے، شاہ صاحب نے[1] ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ ایمان لائے تھے، اس حدیث مین عام یہود نہین، بلکہ علماء اور خواص مراد ہین[2]، اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہین ہوئی، اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی،

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب مین دارالمصنفین آیا، تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بےچین کرتی تھی، اتفاق سے ایک دن ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ بنی نضیر کے سلسلہ مین دوچار اہل کتاب صحابہ کے نامون پر نظر پڑی، اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی، مین نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کیا، کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہین یکجا مل سکتے ہین؟ انھون نے

---

[1] بعد مین یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود مین اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا، (ص ۳۷)

[2] یہ جواب عام شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دیا ہے، واقعات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ چند سرداران یہود ہی عام یہود کے حلقہ بگوش اسلام ہونے مین سد راہ بنے رہے، حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہین،

فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملین گے، ہان ابن ہشام، سہیلی اور دوسری سیر کی کتابون کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائین گے، مین نے تلاش و جستجو شروع کر دی، بہت دنون تک مغازی و سیر کی کتابون کی ورق گردانی کرتا رہا، لیکن مین نے اپنے ذہن مین جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس مین رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابون سے بہم نہ پہنچ سکا، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات و رجال کی کتابین دیکھی جائین، پہلے تو اس بحر زخار مین گوہر مقصود کی تلاش پر طبیعت آمادہ نہین ہوئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی، اور تحقیق و تلاش شروع کر دی، برسون کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا وہ پیش کش ناظرین ہے۔

ماٰخذ سیر کی کتابون کے بعد رجال کی کتابون مین سب سے پہلے حافظ ذہبی کی "تجرید اسماء الصحابہ" شروع سے آخر تک پڑھی، پھر استیعاب اور اسد الغابہ، اور ان سب کے بعد اصابہ کی ورق گردانی کی، اس سلسلہ مین قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی، تو اس کے لیے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا،

شروع مین تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی، لیکن جب مین نے اصابہ کا یا الاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس مین بعض اہل کتاب تابعین کے نامون پر بھی نظر پڑی جنکو مین جمع کرتا گیا، چونکہ یہ تھوڑے سے تھے، اس لیے ان کو بھی اس کتاب کے آخر مین شامل کر دیا گیا،

جن بزرگون کے اہل کتاب ہونے مین شبہ ہے بعض قبائل کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے، لیکن جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہین ہو گیا کہ وہ اہل کتاب مین سے تھے، اس وقت تک ان کو اس فہرست مین نہین لیا گیا، مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ مین تصریح ہے کہ

لان بنی تغلب کانوا نصاری (ج۲ص۵۶) — اس لیے کہ بنو تغلب نصاری تھے،

اسد الغابہ ہی میں دوسری جگہ ہے،

ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب (ج۲ ص ۲۲۲) بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے، مثلاً تغلب،

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لیے نہیں لیا گیا ہے کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی،

اسی طرح حضرت تمیمؓ داری شام کے رہنے والے تھے، اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے، حضرت تمیمؓ جب خدمت نبوی میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا، لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا، اس لیے کہ دوسرے ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی،

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا،

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے انکے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں،

(۱) ابو ہند الداری	یہ حضرت تمیمؓ داری کے چچازاد بھائی تھے، معلوم نہیں انھوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں،
(۲) احمد بن عبد اللہ بن سلام	ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے[۱]، لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبد اللہؓ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے، لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادہ کا تذکرہ نہیں مل سکا

[۱] ابن ندیم ص ۳۲

	ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو، واللہ اعلم،
(۳) تبیع بن امرأۃ کعب الاحبار،	یہ کعب احبار کے ربیب تھے،
(۴) ذکوان بن یامین،	ان کے اسلام میں اختلاف ہے،
(۵) سلمہ بن سعد،	اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیب کی قوم سے تھے،
(۶) سلمہ بن عیاض،	ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں تھے، لیکن تصریح نہیں ملتی،
(۷) فیروز الدیلمی	کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں،
(۸) ابن التیہان،	ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے[1]، اگر اس سے مراد ابو الہیثم بن التیہان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں بلکہ انصاری تھے، اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتب رجال میں انکا تذکرہ نہیں ملتا،
(۹) ام المہاجر الرومیۃ،	رومیہ کی نسبت کی وجہ سے انکے عیسائی ہونے کا امکان ہے،
(۱۰) ابن جریج تابعی،	تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے، چنانچہ اسی بنا پر صاحب فجر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے، لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا، اسلیے انکا نام اس فہرست میں لیا گیا ہے،
(۱۱) ابنۃ عم صفیہ	ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر

[1] ابن ندیم ص ۳۳ مطبوعہ (ص ۲۴۶)

مین ان کا تذکرہ کیا ہے، امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوۂ
خیبر مین حضرت صفیہؓ اور انکی ایک چچازاد بہن گرفتار
ہوئین، حضرت صفیہؓ، حضرت دحیہؓ کلبی کے حصہ
مین آئی تھین، مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپ نے
ان کو ان سے واپس لے لیا، اور ان کے بجائے
انکی چچازاد بہن کو انھین دیدیا، چونکہ ان کے اسلام
لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہین ہے، اسلیے ہم نے
انکا ذکر اس فہرست مین نہین کیا ہے، (السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۸۶)

حبشہ کے وفد مین عیسائیون کی ایک بڑی تعداد خدمت نبوی مین حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی،
اس کے علاوہ نعیم الحبر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آچکا ہے چالیس علماء یہود نے اسلام قبول کیا تھا لیکن افسوس
ہے کہ ان کے حالات کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابون مین نہین ملتے،

ترتیب اور نامون کی تعداد کتاب مین پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہین، پھر
اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پوری کتاب مین ترسٹھ ۶۳ صحابہ، سات ۷ صحابیات، اور تیرہ ۱۳ تابعین اور دو ۲ تابعات کے حالات درج
ہین، جن مین سے صحابہ مین ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی، اور تابعین مین ۴ یہودی اور ۹ نصرانی، اور صحابیات
مین ۳ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات مین ایک عیسائی اور ایک یہودی ہین،

کتاب کے شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور انکے سیاسی،
تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، آخر مین ایک نقشہ بھی ہے جس مین ان کے مرکزی
مقامات اور قبائل کا جاے وقوع دکھایا گیا ہے،

خادم
مجیب اللہ ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے، جن کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے، تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے، اور کتاب کے بعض گوشے جو اس کے بغیر تشنۂ بیان رہ جاتے وہ واضح ہو جائیں، اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصا اور احتوا کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا، اور نہ انھوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا، لیکن جزیرۃ العرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، بلکہ اس کے برعکس

پتہ چلتا ہے کہ عربون کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکون اور قومون سے تھے، اور قومون کے آپس کے اختلاط وارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہین وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے،

عربون اور دوسرے ملکون اور قومون مین باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے تھے،

(۱) تجارت (۲) ایران وروم کے ماتحت عربون کی سرحدی حکومتین یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ، (۳) یہودیت اور نصرانیت، پہلی دونون شقین ہمارے موضوع سے خارج ہین اس لیے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہین، ہمین دکھانا ہے کہ جزیرۂ عرب مین ان مذاہب کی ابتدا کب سے ہوئی، اور ان کو یہان کیا کامیابی حاصل ہوئی، کن قبائل نے انھین قبول کیا، اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے، اور عہد جاہلیت مین عربون کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا، اور پھر اسلام کے بعد مسلمانون پر ان کے کیا اثرات پڑے، اور انھون نے مسلمانون سے کیا اثرات قبول کیے، پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی، اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارات کیے ہین،

مذکرۃ الذکر شق مین سے بھی پہلے ہم یہودیت، اسکے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کرین گے،

یہودیت جزیرۂ عرب مین یہود[۱] کی تاریخ دو دورون پر منقسم ہے، پہلا دور ۷۰۰ ق م سے

---

[۱] اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ماننے والون کو یہود کہا جاتا ہے، لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا (یعنی حضرت یعقوبؑ جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمانؑ کے عہد کے بعد پڑا، حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود دو حصون مین بٹ گئے تھے، ایک گروہ موحد تھا، یہ گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند وولی عہد کے ماتحت تھا، اصل مین یہود ان ہی کا لقب تھا، اس لیے کہ یہود کا لفظ (باقی حاشیہ ص ۳ پر)

یہود بائدہ کا دور کہا جاتا ہے، اور دوسرا دور سنہ ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک، پہلے دور مین جو یہود جزیرہ عرب مین آئے، ان کے متعلق قدیم صحیفون اور عربی تاریخون مین متعدد روایتین ملتی ہین، لیکن یہ صحیح طور سے نہین بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کا وجود یہان ملتا ہے، بعض عربی تاریخون کی روایتون سے تو پتہ چلتا ہے کہ حجاز مین ان کی آمد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ یعنی سنہ ۱۵۰۰ ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی، یاقوت نے معجم البلدان مین مدینہ کے باشندون کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

حین اظھرہ اللّٰہ تعالیٰ (موسیٰ) علی فرعون	جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون
فوطی الشام واھلک من کان بھا منھم ثم	پر غالب کیا تو انھون نے فرعون کے اعوان
بعث بعثا آخرالی الحجاز الی العمالیق وامرھم	وانصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج حجاز
ان لا یستبقوا احدا ممن بلغ الحلم الا من دخل	عمالیقؔ کی سرکوبی کے لیے بھیجی اور فوج کو
فی دینہ فقدموا علیھم فقاتلوھم فاظھرھم	حکم دیا کہ ان مین سے جو لوگ دین مین داخل
اللّٰہ علیھم فقتلوھم قتلوا ملکھم الارقم	ہو جائین ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲) ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہین، چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لیے ان کا نام یہود پڑ گیا، واللہ اعلم۔

دوسرا گروہ مشرک تھا جو یربعام کے تحت تھا، یہ حضرت سلیمانؑ کا سرتابی فتنہ انداز دشمن تھا لیکن ہمین حضرت موسیٰؑ کے پہلے کے بنی اسرائیل سے نہین بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہین ان کی بحث کرنی ہے، اس لیے ہم نے ہر جگہ یہودی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لیے غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔

قرآن پاک مین انکا تذکرہ انکے قدیم اور جدید دونون نامون سے کیا گیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لے حجاز مین اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی جنکا ظلم وستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا،

واسروا ابنا له شابا جميلا
كاحسن من راى فى زمانه فضنوا به
عن القتل وقالوا نستبقيه حتى نقدم
به على موسى فيرى فيه رايه فاقبلوا
وهو معهم وقبض الله موسى قبل
قدومهم فلما قربوا وسمع بنو اسرائيل
بذلك تلقوهم وسألوهم عن
اخبارهم فاخبروهم بما فتح الله
عليهم قالوا فما هذا الفتى الذى
معكم فاخبروهم بقصته فقالوا
ان هذه معصية منكم لمخالفتكم
امر نبيكم والله لا دخلتم علينا
بلادنا ابدا فحالوا بينهم وبين
الشام فقال ذلك الجيش ما بلد
اذ منعتم بلدكم خير لكم من البلد
الذى فتحتموه وقتلتم اهله
فارجعوا اليه فعادوا اليها فاقاموا
بها فهذا كان اول سكنى اليهود
الحجاز والمدينة ....

چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اسکو عمالقہ پر غلبہ
حاصل ہوگیا، وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا،
اسکا ایک لڑکا گرفتار ہوا، چونکہ وہ بہت
خوبصورت اور معصوم تھا اس لیے فوج
اسکو اپنے ساتھ شام لیتی آئی، اس لڑکے کے
بارے مین وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰؑ
کے پاس اسے لیجایا جائے یا نہین، آخرکار
اسے وہ لیکر شام واپس آئے اس وقت حضرت
موسیٰؑ کی وفات ہوچکی تھی، بنو اسرائیل نے فوج
سے حجاز کے حالات دریافت کیے، انھون نے
اپنی فتح کا واقعہ انکے سامنے سنایا، پھر اس
نوجوان کے بارے مین دریافت کیا تو انھون نے
صورت حال بتائی، اس پر بنو اسرائیل فوج
پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی
خلاف ورزی کی، اسلیے تم شام مین نہین رہ سکتے،
چنانچہ وہ شام مین داخل نہین ہو سکے، یہ
صورت حال دیکھکر فوج کے سردار نے کہا کہ
فوج یا شام کے بعد تمہارے لیے حجاز ہی کی
سرزمین بہتر ہے، تو وہین واپس چلو، چنانچہ وہ حجا

.... واپس آئے، مدینہ اور حجاز میں یہود کی یہ پہلی

(ج ۲، ص ۲۷۱) آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی،[1]

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لیے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ "صحف قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے" بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے جو مسلّمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، مگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابلِ اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ ق.م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی، تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بنا پر عربی ماخذ کی روایات کو کمزور کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے،[2]

اس کے بعد جزیرۂ عرب میں یہود کی دوسری آمد بنی شمعون کی ہجرت قرار پا سکتی ہے، اس کے متعلق صحفِ قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لیے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائلِ معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے، جنگ ہوئی جس میں بنو شمعون غالب رہے، وہ پورا بیان یہ ہے،

(۳۸) یہ جن کے نام مذکور ہوئے، اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے، اور ان کا آبائی گھرانا بہت بڑھ گیا (۳۹) اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی کے پورب تک اپنے گلون

---

[1] اس روایت کو اغانی نے (ج ۱۱ ص ۹۰) میں اور سمہودی نے وفاء الوفاء (ص ۱۱۱) میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۸۶ میں نقل کیا ہے۔ [2] اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف اغانی کو سمجھا ہے حالانکہ دوسری مستند کتابوں میں جنکا تذکرہ اوپر آچکا ہے ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

کے لیے چراگاہ ڈھونڈھنے گئے (۴۰) وہان انھون نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کر وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکہ کی جگہہ تھی، حام کے لوگ قدیم سے اس مین رہتے تھے (۴۱) اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہین، شاہ یہوداہ حزقیاہ کے دنون مین چڑھ آئے اور انھون نے انکا ڈیرا ڈھا دیا اور معونیم[1] کو جو وہان ملے قتل کیا ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہین، اور ان کے گھرون مین آپ رہے، کیونکہ ان کے گلّے کے لیے وہان چرائی تھی (۴۲) اور ان مین سے یعنی بنی شمعون کے بیٹون مین سے پانچ سو مرد شعیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیاہ اور نعریاہ اور رفایاہ اور عزئیل ان کے سردار تھے (۴۳) اور ان باقی عمالیقون کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہان بستے ہین۔" (تواریخ ۱ باب ۴)

اس ہجرت کے سنہ کی تعیین مین اختلاف ہے، ڈوزی (Dozy) نے اپنی کتاب "بنی اسرائیل مکہ مین" مین یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤدؑ کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۰۰۰ ق۔م کے قریب ہوئی، لیکن مارگولیتھ (Margoliouth) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے، اور اپنی کتاب "عربون اور بنی اسرائیل کے تعلقات" مین یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت مین ہوئی، جنھون نے ۷۹۱ سے ۷۱۰ ق۔م تک یہودا پر حکومت کی ہے،

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے، یعنی انھون نے اسکو ۷۱۵ ق۔م کا واقعہ قرار دیا ہے،

[1] معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف مین آباد تھے، تاریخ الیہود ص ۵، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائل معان مین جو جنگ ہوئی اس مین بنی اسرائیل غالب رہے، اور انھون نے معان کو قتل کرکے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا، یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہین، انھون نے کئی سو برس تک جزیرۂ عرب مین حکومت کی ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے ارض القرآن، جلد اول،

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم ازکم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ سنہ ق م ہے، لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے، غالباً اس نے یہ رائے اس لیے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۱۴۵۱ سنہ ق۔م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں، وہ سب ۱۳۰۰ سنہ ق۔م کے تحت درج ہیں، صرف اسی واقعہ کے سامنے ۱۴۵۱ سنہ ق م درج ہے۔

بہرحال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۵۰۰ سنہ ق۔م سے پہلے بنی شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے اسی اختلافِ روایات کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے، اس میں ان قبائل کے نام اور انکے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں[1]،

اس کے علاوہ صحفِ قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامانِ تجارت لیکر جایا کرتے تھے، اور یہود تجار سبا تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے[2]، اوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے، اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں[3] جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں،

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد و رفت اور بود و باش شروع ہوئی لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں، اس لیے ان کو یہود بائدہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور | دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے،

---

[1] کتاب یوشع بن نون فصل ۱۹ آیت ۱ تا ۹ [2] حزقیاہ باب ۲۷ آیت ۲۱ [3] مارک ج ۱ باب ۱۹ آیت ۲۷،

وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انھوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا، ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے،

(۱) فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوش حالی کے ساتھ رہنا، اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا، اس لیے وہ عرب اور عراق کا رخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی انکے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی، اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، یہود کی آبادیاں متفرق طور پر پورے جزیرۂ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں،

(۲) پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا، یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دینا پڑی، لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی، اس لیے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے، اب ان کے لیے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر کہیں ہجرت کر جاتے جس کیلئے انکو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرۂ عرب ہی کی مل سکتی تھی[۱]،

(۳) اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۷۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہوگیا، یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں، اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانی پڑی، اور

---

[۱] ویدکا یہودی نیشنل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹

اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے، اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی، وہاں چلے گئے، ان تارکینِ وطن مین ایک بڑی تعداد نے عرب کا رخ کیا، جہاں ایک کثیر تعداد مین یہود پہلے سے موجود تھی، یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مورخ یوسف جو ان جنگون مین شریک بھی رہا ہے اسکے بیان سے معلوم ہوتی ہے[1]،

رومیون اور یہودیون کی جنگ اور یہود کی جزیرۂ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتین عربی مصادر مین بھی مل جاتی ہین، چنانچہ صاحب اغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ مین لکھا ہے کہ

لما ظهرت الروم على	جب رومیون نے شام کے بنو اسرائیل (یہود)
بني اسرائيل جميعا بالشام	پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا، انکو قتل
فوطئوهم وقتلوهم ونكحوا	کیا، ان کی عورتون کو اپنے حبالۂ عقد مین لے لیا
نساءهم خرج بنو نضير و	اس ظلم و ستم سے بچنے کے لیے بنو نضیر
بنو قريظة وبنو هدل هاربين	بنو قریظہ اور بنو ہدل وغیرہ حجاز مین
منهم الى من بالحجاز من	اپنے دوسرے یہودی بھائیون کے
بني اسرائيل[2]	یہان چلے آئے،

بہر نوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز مین آئے،

جزیرہ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بنا پر تو کئی حصون پر مشتمل ہے، لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصون مین منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز مین یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم وجدید تعلقات پر تھی، اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے

---

[1] دیری یو پی لیٹر سپل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹ [2] اغانی جز ۱۹ ص ۹۰۵

یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں،

یمن میں یہودیت

یمن گو جزیرہ عرب ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے، اس اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں،

اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے تھے، اوپر آچکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت یعنی سنہ ۱۰۰۰ ق۔م میں اہل عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبا تھا جو یمن کا دارالسلطنت تھا،

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے یعنی جو یمن کے بیچ میں واقع تھا، اس کا تذکرہ تحریری طور پر سنہ ۸ ق۔م میں ملتا ہے،[1]

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا، اس لیے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا، اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست ایک دو عیسائی؛ بقیہ سب یہودی تھے، لیکن حمیری حکومت کی ابتدا کب ہوئی، اس بارے میں مورخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں،

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے، ڈاکٹر ہالوے نے اس کی ابتدا سنہ ۱۱۵ ق۔م قرار دی ہے، لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے، اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتدا سنہ ۲۰ ق م سے آگے نہیں بڑھتی، بہرنوع اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی

---

[1] تاریخ دوم آیت ۲۶-۸ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی، جدید اثری تحقیقات نے اسکے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دیئے ہیں،

کے وسط سے یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا، اور ۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا، لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت (۵۲۵ء) کے بعد، یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا، اور اسکی جگہ عیسائیت نے لے لی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے،

جزیرۂ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے کہ

فاما من تھود منھم فا لیمن	جزیرہ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے انمین
باسرھا[1]	یمن بھی ہے یمن پورا کا پورا یہودی تھا،

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتدا کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

کان تبع حمل حبرین من احبار	ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا'
الیھود الی الیمن فابطل الاوثان	انھوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور انکے
وتھود من بالیمن[2] (ج ۱ ص ۲۹۸)	اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی'

جدید اثری تحقیقات کے مطابق تبابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا' اس لیے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا، اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے، اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانہ سے موجود ہو، مگر اہل یمن کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو،،

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے؟

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸ [2] ایضاً

کا رخ کرتے تھے لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ عرب کے یہود کہین باہر سے نہین آئے تھے، بلکہ یہ عرب ہی نسل سے تھے، جنھون نے یہودیت قبول کر لی تھی، یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے

وھم فخذ من جذام الا انھم	یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی
تھودا ونزلوا بجبل یقال لہ النضیر	ہو گئے تھے، اور جہان یہ آباد ہوئے، اس
فنسبوا الیہ (ج ۲ ص ۴۹)	مقام کا نام نضیر تھا، اسی لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے،

وھی فخذ من جذام اخوۃ	یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے، بنو نضیر
النضیر ویقال انھم تھودوا فی	کے بھائی بند تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سموئیل
ایام عادیا بن سموئیل ثم نزلوا	کے زمانہ مین یہودی ہوئے، پھر جبل قریظہ
بجبل یقال لہ قریظۃ فنسبوا	کے پاس آباد ہوئے، اور اسی نسبت
الیہ (ج ۲ ص ۵۲)	سے ان کا یہ نام پڑ گیا،

جو لوگ اس خیال کے موید ہین، یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصون کے یہود اپنے عادات واطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہان کے باشندون سے ہمیشہ ممتاز رہے، لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربون سے ممتاز نہین تھے، اور نہ انھون نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی ہی جنس سے تھے، صرف انھون نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا،

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام

یہود عربی النسل تھے، صحیح نہین ہے،

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے، لیکن اس سلسلہ مین دو تین باتین قابل لحاظ ہین،

(۱) یعقوبی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہین ہے، انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کرینگے،

(۲) یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصون کے یہود سے ممتاز نہین تھے، یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہین تھا؛ ہن گوشہ پر "یہود کے تمدنی اثرات" کے تحت آیندہ ہم مفصل بحث کرینگے لیکن یہان دو ایک باتین سرسری طور سے کہی جاتی ہین،

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ مین کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہین تھا، اس لیے کہ ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہین تھے، جن کی بنا پر قومین امتیاز حاصل کرتی ہین، اس لیے یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ وہ کہین بھی ممتاز تھے،

دوسری بات یہ ہے کہ عرب کے یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی، اس لیے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد، اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے، اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہی، اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے، جن کا تعلق یہود سے ہے، لیکن یہ خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہین ہے،

یہ بات کہ یہود باہر سے نہین آئے تھے، پورے جزیرہ کے متعلق تو یہ کہنا صحیح نہین ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرۂ عرب کے باشندون کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کرلی تھی خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر و بیشتر عرب ہی تھے، اس لیے اس سلسلہ مین صحیح مسلک یہ ہے کہ

یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربون کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا،
جن کا تذکرہ آگے آئے گا، خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے،
کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟ تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ عراق
مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہان بھی یہودیون کی آبادی تھی، وہان کے یہود کی تاریخ
کا پتہ چلتا ہے، یہی نہین بلکہ انھون نے تاریخ مین اپنے سیاسی تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑ
ہین، اور دنیا کی دوسری قومون سے ان کے گوناگون تعلقات تھے لیکن جزیرہ عرب کے
یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے، اور عربون مین اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونون کی
تہذیب و معاشرت مین کوئی نمایان فرق باقی نہین تھا، اور نہ دوسرے ممالک کے یہود کی
طرح ان کے کوئی قابل ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود ہیں، لیکن واقعات کی روشنی مین یہ خیال
صحیح نہین معلوم ہوتا۔

(۱) یہ بات کہ وہ عربون مین بالکل گھل مل گئے تھے، اور دونون مین کوئی نمایان فرق
نہین تھا، بالکلیہ صحیح نہین ہے، جزیرہ عرب مین جہان یہود منتشر طور پر موجود تھے، وہان واقعی انکی کوئی
نمایان حیثیت نہین تھی لیکن جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القری اور
تیما وغیرہ تھے وہان وہ ہر نقطہ نظر سے عربون سے ممتاز تھے، پوری تفصیل آگے آتی ہے۔
(۲) دنیا کے دوسرے حصون سے ان کا تعلق نہین تھا، یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے جیسی
کہ خود عربون کے متعلق یہ خیال کہ وہ دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے، لیکن یہ خیال نہ تو
عربون کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق عربون اور حجاز اور یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات
دوسرے ملکون سے قدیم زمانہ سے تھے، ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے،
جزیرہ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیون کے قبضہ مین تھے، یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی

عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر سیاسی جنگ جاری رہی، خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو ان کے بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے، شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیا کرتے تھے، بنو قینقاع جلاوطن کیے گئے تو وہ یہاں سے اذرعات جو شام کے علاقہ میں ہے، چلے گئے، اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے، حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں، اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لیے شام تک سفر کریں، اور یہود جو جزیرہ نما عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے، شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں، اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا، ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود دنیا سے منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے،

(۴) تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہود ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی، البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کی جاتی ہیں،

جزیرۂ عرب کے یہود کے علمی امتیاز کے لیے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت زید بن سعنہ، حضرت مخیریق، حضرت میمون بن یامین، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علما، اور کعب بن اشرف اور سموءل جیسے شعرا موجود تھے، حضرت عبد اللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی، ان کے متعدد مدارس قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی،

جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے، مدینہ میں غالباً سب سے پہلے

تحریر کا رواج یہود ہی کے ذریعہ ہوا، وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے، اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے، اُن کی زبان بھی یہی تھی، پوری تفصیل آگے آئے گی،

غالباً یہ یہود ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے،

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے، یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے،

یہود کے مرکزی مقامات ان کے مشہور قبائل

یوں تو جزیرۂ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں، لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پر یہودی قبائل آباد تھے، اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے، ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور مقام ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں،

یثرب [1] ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی، اس لئے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا ہے، اسلئے اس کا نام یثرب پڑ گیا، یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا، اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ بہت قدیم آبادی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

[1] بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا، لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی، تفصیل آگے آئے گی،

الشمال

المشرق

المغرب

الجنوب

نقشہ

مدینہ منورہ
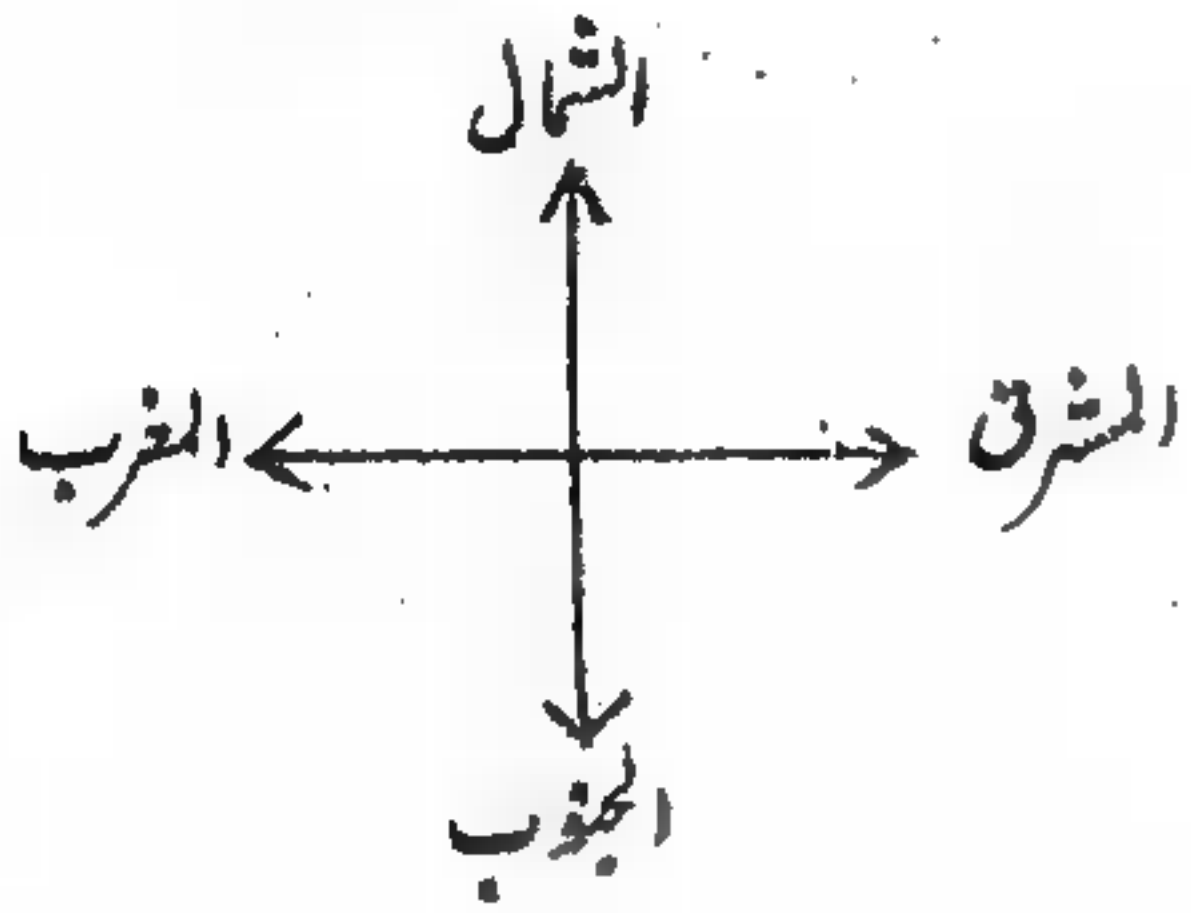
نشانات

پہاڑ

وادی

جھاڑیان

عام باغات

دیار یہود
بنو حارثہ

وادی
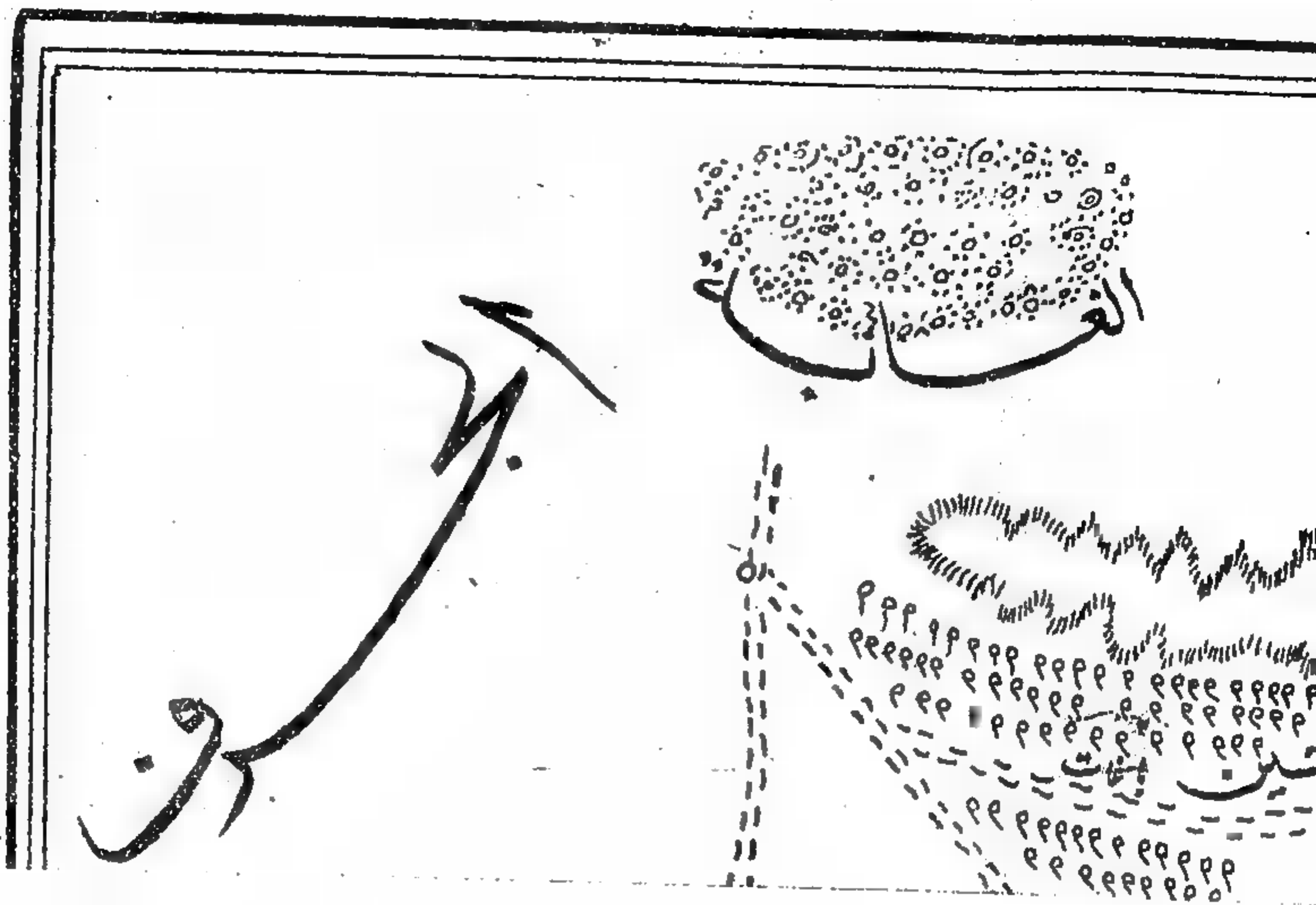
ذو نواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی، [illegible]

بھی یہی نام رائج تھا، مگر آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا، پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینۃ النبی کے نام سے پکارا جانے لگا، اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص و عام ہو گیا،

مدینہ میں جو یہودی قبیلے آباد تھے ان کی تفصیل یہ ہے،

بنو قریظہ یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا، اور وادی مہزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہو گیا،[1] یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہو گئی، اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا، معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، لیکن سنہ ۵ھ میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی، اس سے پہلے بھی غزوۂ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے، اسلیے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی، حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سعنہؓ، حضرت سعیہؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،

بنو نضیر اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطحان کے پاس آ کر آباد ہوا، یہ مدینہ کی سب سے بڑی وادی تھی، یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آباد ہوئے، لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

---

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۱۲

ہو موضع منازل بنی نضیر   بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے،

بویرہ ایک کنوئین کا نام ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ کنواں وادی بطحان کے قریب ہی رہا ہو،
اس بناپر دونون روایتون مین کوئی تضاد نہین ہے[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا، لیکن انھون نے بھی معاہدہ شکنی کی، اور اس کی پاداش مین ۴ھ مین جلاوطن کیے گئے، حضرت مخریق، حضرت یامین، حضرت ابوسعد وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے،

بنو قینقاع اس قبیلہ کے متعلق یہ نہین معلوم ہوسکا کہ یہ باہر سے ہجرت کرکے آیا تھا یا یہین کا کوئی عرب قبیلہ تھا، جس نے یہودیت قبول کرلی تھی، اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور زراعت پیشہ تھے خصوصیت سے آہنگری اور زرہ گری ان کا خاص پیشہ تھا، خود انکا نام بھی ان کے پیشون کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، قین عربی مین لوہار کو کہتے ہین، اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہین، جس مین کھیتی کی جاسکے، جس سے ان کی دونون خصوصیتین معلوم ہوتی ہین، مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ مین یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے، سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی، اور اس کے نتیجہ مین جلاوطن کیے گئے، مدینہ سے نکلکر اذرعات مین، جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے،

بنو ہدل یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کرکے مدینہ آیا تھا، اور ان ہی کے ساتھ وادی مہزور مین آباد ہوگیا تھا[۲]، یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہین رکھتا تھا، بلکہ ہر معاملہ مین بنو قریظہ ہی کا شریک تھا، بعض کتابون مین اس کا نام بنو ہبدل لکھا ہوا ہے، سمہودی نے لکھا ہے کہ ان کو بنو ہدل اس لیے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے

---

[۱] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۶ [۲] ایضاً ج ۸ ص ۲۹۶

ہوئے ہوتے تھے، عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں، حضرت ثعلبہؓ حضرت اسد بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے،

بنو زنباع یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا، بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بنا پر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کرکے آیا تھا، مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، حضرت رافعؓ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا،

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی، بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے، مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے، بنو ظفر وادی مہزور کے آخری سرے پر آباد تھے، بنو اشہل اور بنو حارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے، ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کیا تھا،

(۱) یہود بنی عوف (۲) یہود بنی نجار (۳) یہود بنی ساعدہ (۴) یہود بنی عوف،

(۵) یہود بنی الاوس (۶) یہود بنی ثعلبہ (۷) بنو جفنہ (۸) بنو الشطیبہ (۹) بنو حارث،

اس معاہدہ میں ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے کہ

وان بطانة يهود	اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو
كانفسهم	بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو حاصل ہیں،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے، چنانچہ اس کی تائید سمہودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

لہ وفاء الوفا، ج ۱، ص ۱۱۱

ان یہود کانوا نیفا و عشرین قبیلۃ[1]   مدینہ میں یہودی قبائل بیس سے زیادہ تھے،

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے جن کا نسبی تعلق اوس و خزرج سے تھا، مگر انھوں نے یہودیت قبول کر لی تھی، اس لیے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے، مثلاً بنو اشہل، بنو حارثہ، بنو عوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں، اسی طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے،

خیبر شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا، جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی، بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے، معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے، اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جد اعلیٰ ایک ہی ہیں، انصار کے جد اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے،

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کو فروغ کب ہوا، اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے، اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے، اس لیے کہ یہاں بہت سے قلعے تھے جنکی یادگار آجتک باقی ہے،

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے، جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی، یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے، انھوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے، جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے، ناعم، قموص، حصن الشق، حصن النطاۃ، حصن السلالم

لہ وفاء الوفاء ص ۱۱۶

حصن الوطیح، حصن سلالم[1]، یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس[2] ہزار سپاہی رہتے تھے یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اسکی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے،

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف انکی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے انکو شکست دی پوری تفصیل آگے آئے گی حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا،

فدک خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی، یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت ہی خوش حال تھے، یہ بستی بھی پرانی ہے، مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے، اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے آس پاس کے جن قبائل سے صلح کی تھی ان میں اہل فدک بھی تھے، تاریخوں میں اس کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے،

وادی القریٰ شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں، اس کو "وادی القریٰ" (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں، یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے، قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے، یہ بستیاں اپنی سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں، قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے،

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ	کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے
فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ	رہنے دیا جائیگا جو یہاں موجود ہیں یعنی باغوں
وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ	چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں
(شعراء)	میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں،

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے،

[1] اس کی تفصیل معجم البلدان وغیرہ میں ملتی ہے [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۷

انھوں نے دوبارہ یہاں کی زراعت اور آب رسانی کو ترقی دی، یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے، مگر وہ سب کے سب یہود کے زیر اثر رہے، قضاعہ، جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے[1]، اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرہ عرب میں ہجرت کرکے آئے تھے، اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی،

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہاں یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے، تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک یہاں یہود موجود تھے (ص ۱۸۷) یاقوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے، اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے، کنوئیں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں ہے[2]،

ان دونوں بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے، اور وہ یہاں سے کہاں گئے،

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ "حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کر دیا تھا[3]" لیکن یہ بیان محل نظر ہے، دوسرے یہ روایت "قیل" کے لفظ سے مروی ہے، جو اس کے ضعف پر دال ہے، اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں

---

[1] معجم البلدان ج ۷، ص ۱۶، یہود اور مسلمانوں میں جتنی جنگیں ہوئیں ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ نظر آتے ہیں

[2] معجم البلدان ج ۷، ص ۳۰، [3] فتوح البلدان ص ۴۱

جس کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، واللہ اعلم

تیماء وادی القریٰ سے قریب ہی تیماء کی بستی تھی، فدک اور وادی القریٰ کی طرح تیماء بھی مدینہ اور شام کے راستہ پر واقع تھا، یہان بھی یہود کی آبادی تھی، ظہور اسلام سے پہلے یہان بنو عادیا کا خاندان حکمران تھا، اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سموئل بن عادیا تھا، جو اپنی شاعری اور وفا شعاری مین ضرب المثل تھا، حضرت رفاعہؓ جن کا تذکرہ اس کتاب مین موجود ہے اسی کے لڑکے تھے، یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے،[1]

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہل تیماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی،[2] مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے تفصیل آگے آئے گی،

نجران بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران مین بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیون پر بھی پڑا، اور آہستہ آہستہ انکی آبادی وہان سے ختم ہو گئی، اور ان کی جگہ نصرانیون نے لے لی،

ظہور اسلام سے پہلے نجران مین یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ مین یہ واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہین کہ "عیسائیون نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکون کو کسی وجہ سے قتل کر دیا، یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذو نواس سے داد رسی کی، اس نے نجران پر حملہ کیا،[3] اور وہان کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا جس کی

---

[1] کتاب الشعر والشعراء ص ۵۴ [2] فتوح البلدان ص ۴۲ [3] اس حملہ کے سلسلہ مین یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیون کا رجحان اور انکا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کیساتھ زیادہ تھا، اور یمن کے یہودی حکمرانون اور حبشہ کے عیسائی حکمرانون مین برسون سے سیاسی کشمکش چلی آ رہی تھی، اس کشمکش کی موجودگی مین اہل نجران کی (باقی ص ۴۴ پر)

طرف قرآن کی اس آیت مین اشارہ ہے[۱]

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ — خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ

ذَاتِ الْوَقُوْدِ (بروج) — رکھنے والے ملعون ہوئے

یہ واقعہ ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے، اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہو گئی، اور پھر یہودیون کو جزیرۂ عرب مین سیاسی غلبہ نہین ہوا، اس زوال کا اثر یہودیون کی تمام آبادیون پر پڑا، ظہور اسلام کے وقت نجران مین عیسائیون کے ساتھ یہود بھی آباد تھے، مگر تاریخ کی عام کتابون مین اس کا ذکر نہین ملتا، البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "نجران مین یہود کی آبادی تھی، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک باقی رہے، اور آپ ہی کے زمانہ مین بعض سیاسی مصلحتون کی بنا پر جلاوطن کر دیے گئے،[۲]

آیندہ اوراق مین "جزیرۂ عرب مین عیسائیت" کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی،

اذرح اور جربا — جزیرۂ عرب کی سرحد پر یہ بستیان پاس ہی پاس واقع تھین، جن مین یہود آباد تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳) یہ وقت یہودیون کے لیے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی، حبشہ پر براہ راست حملہ کرنا انکے بس سے باہر تھا، اسلیے انھون نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا، ممکن ہے یہودی بچون کے قتل ہی کو یہودیون نے نجران پر حملہ کرنیکا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو، جسطرح یمن کے عیسائیون نے کعبہ پر حملہ کیلیے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا،

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ مین تفسیرون مین متعدد واقعات مذکور ہین، ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلین اختیار کر لی ہون، جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات مین ہوتا ہے،

[۲] ابوداؤد ج ۲ باب اخراج الیہود

اور ان ہی کا غلبہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی، اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی، اس پر آپ نے ان سے صلح کرلی۔[1]

مقنا یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی، اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی، یاقوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتائی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا، اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں جنکا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین بحرین فارس اور جزیرہ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا، یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی، بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب وتمدن رکھنے والی قوموں کا سنگم تھا، عرب وعجم، یہود ونصاریٰ اور مجوس وآتش پرست سبھی یہاں موجود تھے، عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب وثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا، ان میں ایک بحرین بھی ہے فتوح البلدان میں ہے کہ

اھل الارض من المجوس والیھود والنصاریٰ (ص۸۰)	اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی۔

عرب کے مشہور قبائل عبد القیس، بکر بن وائل تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردۂ خفا میں ہے، ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۶ [2] ایضاً ص ۶۷

وہاں کا حکمراں تھا، غالباً یہ عرب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا، اور حضرت علاء حضرمی ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا، منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا، اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا، [۱]

۸ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہاں کے یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آپ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام نہ قبول کریں، ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے، [۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے، تو حضرت بشر بن جارود رضؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، انھوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، [۳]

مکہ و طائف | مکہ و طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے، جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں بھی عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں، بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے، [۴] مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے،

---

[۱] فتوح البلدان ص ۸۶ [۲] ایضاً ص ۹۱ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۳۵۰ [۳] فتوح البلدان ص ۹۱ [۴] تاریخ الیہود ص ۹۶

اس سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا، جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا، چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا سبب نزول یہی واقعہ ہے،

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گوناگوں تعلقات تھے، مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہودی تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے، جہاں کہانت کی شعبدہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں، مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے، پھر مکہ کے قریب ہی نوکنانہ آباد تھے، جن میں یہودیت موجود تھی، میں سمجھتا ہوں کہ ان ہی وجوہ کی بنا پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے،

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک نوآبادی موجود تھی، فتوح البلدان میں ہے،

کان بمخلاف الطائف قوم من	طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی
الیھود طردوا من الیمن و یثرب	آبادی تھی جو یمن و یثرب سے نکالدیئے
فاقاموا بھا للتجارۃ (ص ۶۳)	گئے تھے اور بسلسلۂ تجارت یہاں آکر آباد ہوگئے تھے

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا، بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائداد خریدی تھی،[1]

---

[1] فتوح البلدان ص ۶۳

اس سے زیادہ یہان کے یہودیون کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہین ہوسکا،

تبالہ وجرش تبالہ وجرش طائف کے جنوب مین واقع ہین، تاریخون مین ہے کہ ان بستیون مین بھی عربون کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے، یہ بصراحت معلوم نہین ہوسکا کہ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونون مراد ہین یا صرف یہود، لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونون مراد ہین، اور دونون آباد ہون گے، اس لیے کہ اکثر مرکزی مقامات مین دونون کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ مین ذکر آچکا ہے،

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیان تھین، اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے مین تویاقوت نے لکھا ہے "اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے"[1]

سنہ۱۰ھ مین یہان کے عرب باشندون نے تو اسلام قبول کرلیا، لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے، اور انھون نے جزیہ دینا قبول کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہان کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا،[2]

یہودیون کی ان بجا آبادیون کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل مین ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہین جنھون نے یہودیت قبول کرلی تھی، اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے جو پورے کے پورے دائرۂ یہودیت مین داخل ہوگئے تھے، مثلاً حمیر، بنوکندہ، بنوکنانہ، بنو الحارث،[3] قضاعہ، غسان اور جذام کے بعض خاندانون مین بھی یہودیت تھی،[4]

یہودی قبائل اور ان کی آبادیون کا ذکر اس وسعت کیساتھ اسلیے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ جزیرۂ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے، تقریباً ان سب پر یہودیون کا قبضہ تھا یا کم از کم وہان ان کا اثر و رسوخ تھا، دوسرے آئندہ جو مباحث آنیوالے

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۵۶ [2] فتوح البلدان ص ۶۶ [3] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶ [4] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸

ہیں ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت

جزیرۂ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے، مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے، تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور انکی نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں،

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گوناگوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے، مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغایرت بھی موجود تھی، مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی، بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی،

یہود دین الٰہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے، پھر اسی کے ساتھ انکو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ بھی حاصل تھا، اس لیے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے،

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے، اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے، تو وہاں انھوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا، یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی،

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی، اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب و سامان اور زراعتی پیداوار و حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں، اس لیے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انھوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش

کی جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے، اسی کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو یہود سے کمتر سمجھتے تھے، اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے، اس لیے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا، نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الہٰی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے، قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے، اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرۃ العرب کی بے تاج کی بادشاہی بھی حاصل تھی، وہ بھی یہود کی مذہبی فضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو، حدیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں، اسی تفوق و فضیلت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائیگا تو اسے یہودی بنا دیں گے، چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود تھے[1] تفصیل آگے آئے گی،

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور سے تفوق حاصل تھا، مدینہ کی بیشتر عرب آبادی ان کی مقروض تھی، خیبر کا بھی یہی حال تھا، وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے، جس وقت خیبر فتح ہوا ہے، اس وقت بہت سے عرب خدمت گار ان کے پاس موجود تھے[2]

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۹ کتاب الجہاد [2] ابن ہشام وغیرہ

قریش جو پورے عرب میں ممتاز اور صاحب "رحلۃ الشتاء والصیف" تھے، وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لیجاتے تھے، ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار ہرجانہ ادا کیا،[1]

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے، اور باوجود تفوق و مذہبی منافرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے، اور اس میں شریک ہوتے تھے،

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں ہوئیں،[2] ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے، اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا، چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انھوں نے اس تحلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا،[3]

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے، کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا اس کا باپ اشرف قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو نبہان سے تھا جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر و رسوخ پیدا کیا، اور سردار بنو نضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کر لی تھی،[4] اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے، اور خصوصیت سے وہ قبائل جو حدید الیہود تھے،[5]

---

[1] السیر الکبیر جلد ۱ ص ۱۰۸، تقریباً ۲۵ ہزار روپئے ہوئے۔ [2] مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ [3] مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر وغیرہ [4] زرقانی ج ۲ ص ۹ [5] ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے،

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہین ہو گئے تھے، بلکہ دنیا کے دوسرے ملکون سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا، اور دنیا کی مختلف قومون کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے، اسی طرح ان ملکون اور قومون پر بھی انھون نے اپنے اثرات ڈالے جن سے ان کا واسطہ رہا یا جو جزیرۂ عرب مین آباد تھین،

یہود ایک قدیم قوم تھی، جو دنیا کے ہر خطہ مین آباد تھی، خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ مین ان کی کثیر آبادی تھی لیکن اس قدامت کے باوجود انکی قسمت مین زیادہ تر ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقع تھی کہ کسی ایک جگہ جمکر نہین رہ سکتے تھے، جو بات بھی ہو، بہرحال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہان بھی آباد ہوے وہان سے انھین ہجرت ضرور کرنی پڑی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قومون اور انکے تمدنون اور تہذیبون سے واسطہ پڑا کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا،

عرب مین جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقون سے ہجرت کر کے آئی تھی، ظاہر ہے کہ وہ جب یہان آئے تو ان ملکون اور قومون کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا، اور چونکہ یہ جزیرۂ عرب کے ہر خطہ مین آباد تھے، اس لیے انھون نے پورے جزیرہ کی عرب آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا، لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف سے نہین، ہر دو طرف سے پڑے تھے، بلکہ بعض حیثیتون سے تو عربون کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہین، اسی بنا پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی کہ جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے، اور ان مین یہودی خصوصیات

باقی نہین رہ گئی تھین، اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرہ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہین تھے،

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہین جس کے ضمن مین عربون کے بعض بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا، اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہود کو عربون پر مختلف حیثیتون سے تفوق حاصل تھا جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے، اور بہت سے معاملات مین انہی کی اقتدا کرتے تھے، ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، وہ فرماتے ہین،

کان ھذا الحی من الانصار وھم	یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے
اھل وثن مع ھذا الحی وھم اھل	قبائل کے ساتھ آباد تھے، انصار انکو
الکتاب، فکانوا یرون لھم فضلاً علیھم	علم و فضل مین اپنے سے افضل سمجھتے تھے،
فی العلم وکانوا یقتدون فی	اور اکثر معاملات زندگی مین ان کی
کثیر من فعلھم (ابوداؤد)	اقتدا کرتے تھے،

یہود کے پیشے

جزیرۂ عرب مین جہان بھی یہود آباد تھے، عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے، زراعت، تجارت، اور صنعت و حرفت،

زراعت

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت مین یہود عربون کے استاذ تھے[1] اسکا یہ مطلب نہین کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہین جانتے تھے، اور یہود نے آکر ان کو سکھایا، بلکہ انھون نے زراعت کے نئے نئے طریقے، اور اس کے لیے جدید قسم کے آلات عربون کو بتائے، اور بعض نئے قسم کے پودون اور درختون سے ان کو آگاہ کیا،[1] جن سے پہلے یہان کے لوگ واقف نہین تھے، اسی طرح یہودیون کو پرندون اور جانورون

[1] تاریخ الیہود ص ۱۷ و ۱۸ [2] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود

کے پالنے کا بھی شوق تھا،

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے، جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی، اس لیے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقۂ زراعت سے آگاہ کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، پھر شام کی سرزمین کو صحف قدیم میں تین و زیتون[2] کی زمین کہا گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں،

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا، اس لیے کہ جزیرۂ عرب کی بیشتر آبادی کی مدار زندگی جانوروں کے دودھ ہی پر تھا، دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لیجانے کے لیے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی، یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لیے جانوروں کی پرورش کرتے تھے، ہو سکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لیے جانوروں کی پرورش اور ان کا گوناگوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو،

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے، مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا، اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی،

تجارت

ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے سے یہود اور عرب دونوں جزیرہ سے میں اور جزیرہ کے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں، اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے، اس لیے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت

فتوح البلدان ص ۲۷ و ۲۸، [2] انجیل اور زیتون قرآن نے بھی سورۂ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے،

دشوار ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح ہی تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہان بھی وہ رہے، یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا، جزیرہ عرب مین آئے تو یہان بھی انھون نے یہی پیشہ اختیار کیا، جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، دوسرے اپنی سکونت ورہائش کے لیے بھی انھون نے خاص طور سے جزیرہ کے ان ہی خطون اور علاقون کو پسند کیا، جن مین پہلے سے کچھ زرعی وکاروباری صلاحیت موجود تھی، بخلاف اس کے عربون کی عام بستیون اور آبادیون کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہین تھی، ہان مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت ومرکزیت ضرور حاصل تھی، اور اسی کی کشش دور دور سے لوگون کو یہان کھینچ لاتی تھی، اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینون مین تجارتی منڈی بن جاتا تھا، لیکن بذات خود اس مین کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہین تھی، اور اسی لیے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک مین وادی "غیر ذی زرع" سے تعبیر کیا ہے،

پورے حجاز مین طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے، جنھین تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی، اور جہان عربون کی عددی اکثریت بھی تھی، اور یہود اقلیت مین تھے، مگر وہان کی تجارت وزراعت پر یہودی ہی چھائے ہوئے تھے، ان دونون مقامات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے،

یہ وجوہ ہین، جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربون مین یہودیون ہی کے ذریعہ آیا ہوگا،

تجارتی بازار عربون کی ہر مشہور بستی مین چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے،[۱] ان کے علاوہ سال مین بعض وقتی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے، جہان

---

[۱] نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۴۳

یہود کے شرکت کی تصریح کم ملتی ہے، مگر وہ ان مین شریک ضرور ہوتے ہون گے، اسلیے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہرون مین سے تقریباً دس، گیارہ شہرون مین یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا، محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومۃ الجندل مین جہان یہود آباد تھے، دو مشہور میلے لگتے تھے[1] یقیناً ان میلون مین ان کی موثر شرکت ہوتی ہوگی، مدینہ مین ایک بازار سوق بنی قینقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قینقاع ہی کے نام سے مشہور تھا جس کا تذکرہ سیر کی کتابون مین موجود ہے،

سامان تجارت | سامان تجارت مین عموماً غلے، کھجورین، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے، جنھین یہ بیچنے کے لیے باہر لے جاتے تھے، بعض حصون کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے، مثلاً مقنا کے یہودیون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا، اس مین جو چیزین بطور ٹیکس لینا طے پائی تھین ان مین مچھلیان بھی تھین[2]،

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان مین بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہین، ہم نہین کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا، اور جنکا ایک فرد، ابورافع یہودی آخری دور مین بھی، اتنا زیادہ مشہور تھا، یہانتک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا[3]، ظہور اسلام کے وقت دفعۃً ان کی برآمدی تجارت کیون کم ہوگئی، اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیون محدود ہوکر رہ گیا،

اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرۂ عرب مین ربا یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا جس مین یہود و نصاریٰ، اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے،

[1] کتاب المحبر ص ۲۶۵، [2] فتوح البلدان ذکر مقنا، [3] تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۱۰، صحیح بخاری باب قتل النائم والمشرک

خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار مین زیادہ مشہور تھے، معجم البلدان مین ہے،

کانوا اصحاب ربا — اہل طائف بڑے سود خوار تھے،

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے، تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہین ہے، لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خواری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے، اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جان اور بہت سی باتون پر ملامت کی گئی تھی، اور ان کو ان سے روکا گیا تھا، ان مین ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے،

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ — اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (ملامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے،

البتہ عربون کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے، قرآن مین ہے،

قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا — ان لوگون نے کہا کہ بیع مثل ربا کے ہے،

بہرحال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربون مین آئی یا عربون کے اثر سے یہود اس مین مبتلا ہوئے، دونون باتون کا امکان ہے،

لیکن سورہ مائدہ مین جہان یہود کے ان معائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے، ان مین ایک سود خواری بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس مین مبتلا تھے، اس کے برخلاف عربون کی تجارت کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہین ہے، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے یہان فروغ دیا ہوگا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود مین تھا اور اس کی جتنی سختی سے شرطین وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس مین ان سے پیچھے تھے،

رہن دار تہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونون مین رائج تھا، خصوصیت سے مدینہ

معجم البلدان ص ۱۷۶

اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا، یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے،

صنعت وحرفت صنعت وحرفت کا رواج اگرچہ جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں میں تھا، مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے، اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے اور سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے، اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی،[۱] روئی کی کتائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں، یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مقنا، دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے،[۲] اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا، یہود جس جگہ بھی آباد تھے، یہ صنعت ان میں موجود تھی، مدینہ میں بنو قینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے، اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے، خیبر کے یہود تو شاید منجنیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے، غزوۂ خیبر میں انھوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا، کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجنیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو، جسکو انھوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا،

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور وتکبر بھی پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ بنو قینقاع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا، فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے، مدینہ اور خیبر کے یہودیوں

---

[۱] ابن سعد ج ۲ ص ۲۸، فتوح البلدان ص ۶۶ و ۶۸

[۲] فتوح البلدان،

کے بعض مکانات اور قلعون کے نشانات اب بھی باقی ہین، جو ان کے ذوق تعمیر کی شہادت دیتے ہین،

عربی ادب مین یہود کا حصہ

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرۂ عرب مین آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہوگئی تھی، ان مین عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی جسکو ان کے علماء و احبار جانتے تھے، اس مین ان کی مذہبی کتابین تھین، اور اسی زبان مین وہ ان کی تلاوت کرتے تھے، مگر عوام شاید اس قدر بھی عبرانی نہین جانتے تھے،

لا یعلمون الکتاب الا امانی — ان مین بعض ہین جو کتاب کا علم نہین رکھتے مگر صرف خواہشات،

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی، اور اسی مین وہ کاروبار اور معاہدۂ صلح وجنگ کرتے تھے، یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سیکڑون ترکیبین، مذہبی اصطلاحین اور تمدنی ومعاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے جو ان کے ذریعہ عربی زبان مین داخل ہوئے، خود قرآن مجید مین ایسے متعدد الفاظ موجود ہین، جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی مین آئے ہین،

مثلاً حبر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن مین مستعمل ہے، عبرانی مین ابتداءً اس کے معنی رفیق (חבר) کے تھے، پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی مین مستعمل ہونے لگا، اس کے بعد عالم کے معنی مین استعمال ہوا، اور اسوقت عربی زبان مین اسی معنی مین مستعمل ہے، اسی طرح نسیٔ کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ عبرانی لفظ ہے، عبرانی مین الناسی (دن N) اس شخص کو کہتے ہین جو مہینون کو مقدم وموخر کرتا تھا، عربی مورخین لکھتے ہین کہ عربون مین نسیٔ کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ مین شروع ہوا، اوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ مین یہودیت موجود تھی، اسلیے

ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۵

اس لیے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انھون نے یہودیون سے سیکھا ہو، اور پھر عربون مین اس کو رواج دیا ہو، اس خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے، انھون نے لکھا ہے کہ عمل کبیسہ اہل عرب نے یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا،[1]

لفظ آطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی، اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہین ان سب مین ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہین،[2] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی مین آیا ہے، اسلیے کہ عبری مین اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنون مین مستعمل ہے، ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعون اور اونچے ٹیلون کے معنی مین بولا جاتا تھا، مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جن مین وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے[3]، یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز مین مستعمل تھا، عرب کے دوسرے حصون مین اس کا استعمال شاید نہین تھا، اور اگر تھا تو بہت کم جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعہ یہان آیا، ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے،

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملون کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے،

کفر عنھم سیاٰتھم، اس کے معنی عبرانی مین محا عنھم ہین، اخلد الی الارض کے معنی عبرانی مین رکن ہین، انا ھدنا الیک کے معنی شبنا الیک ہین،

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے،

رمز، مرقوم، اواہ، یم، حطۃ، اسباط، راعنا، بعیر، لینۃ، قیسیس ابلیس، جھنم، شیطان،

ان مین بعض لفظ ایسے ہین جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور ایک تاریخ

---

[1] تاریخ الیہود بحوالہ الآثار الباقیہ [2] دیکھیے لفظ اطم لسان العرب ج ۱۴،

وابستہ ہے ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہودہی واقف تھے، اس لیے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے، اور وہ انکی تشریح کرتے ہوں گے جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے نئے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے،

لکم علم لیس لنا[1] تم لوگوں کے پاس علم ہے جس سے ہم بے بہرہ ہیں

تحریر کا رواج اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعہ ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا، اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انھوں نے سریانی زبان پر رکھی، اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا، پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمراں بشر بن عبد الملک نصرانی نے سیکھا، اور اسی نے اس کو مکہ میں رواج دیا[2]، پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی[3]،

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے،

معجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے

کان الکتاب (الکتابۃ) بالعربیۃ فی الاوس والخزرج قلیلا قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے، مدینہ کے

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ص ۸، [2] فتوح البلدان ص ۴۷۱، [3] ایضاً

وکان بعض الیهود قد علم	بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی مین
کتاب العربیۃ وکان تعلمہ	لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، اور اپنے بچون کو
الصبیان بالمدینۃ فی الزمن	بھی اس کی تعلیم دیتے تھے،
الاول[1]	

اسی بیان کو سامنے رکھکر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ

ان یھود یثرب کانوا اساتذۃ	یثرب کے یہود عربی تحریر مین عربوں کے
العرب فی تعلم الکتابۃ العربیۃ (ص۲)	استاذ تھے،

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہین معلوم ہوتا کہ پورے جزیرۂ عرب مین یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز مین یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا، یہ قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ مین ہوتی ہے، اور وہ اہل عرب مین مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربون کے مقابلہ زیادہ متمدن تھے، پھر ان کو تجارتی کاروبار مین بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی، ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ مین جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہین وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انھین لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا، ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان مین ناپید تھی،[2]

شعر وشاعری شعر وشاعری اہل عرب کے خمیر مین تھی، اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر مین تھا، اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکے سر ہوتے تھے، اور اسی کے سہارے قبیلون اور خاندانون کی سیادت وقیادت ملتی تھی، جزیرہ مین جتنی قومین آباد تھین، یہودی، نصرانی یا مجوسی، وہ سب عربون کے

[1] فتوح البلدان ۳۷۹ [2] اس کی تفصیل کا موقع نہین، ورنہ اس کے دلائل پیش کیے جاتے،

شعر و شاعری سے متاثر ہوئین اور انھون نے خود بھی اس مین حصہ لیا، اور اس طرح سے عربون کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان مین رواج پا گئے۔

جزیرۂ عرب کے یہود مین متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے، ابن سلام نے طبقات الشعراء مین ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان مین کسی قدیم شاعر کا نام نہین ہے، ان مین بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گذر چکے تھے، ان کے نام یہ ہین:

(۱) سموئل بن عادیا، یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء مین تھا، اس کا دیوان الاب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے[۱]، اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے، اسی کے لڑکے حضرت رفاعہؓ صحابی ہین، جن کا تذکرہ اس کتاب مین موجود ہے۔

(۲) رافع بن الحقیق، قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا، اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار مین بہت زہر افشانی کی ہے، سیرت اور طبقات کی کتابون مین اس کے بہت سے اشعار موجود ہین۔

(۳) کعب بن اشرف، یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا، اسکو شاعری پر پوری قدرت تھی، اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا، اس لیے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اگلتا تھا، مقتولین بدر کا مرثیہ لکھکر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا، ادب و سیرت کی کتابون مین اس کے مراثی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہین۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابو قیس بن رفاعہ، ابو الذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن سلام نے کیا ہے[۲]، بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب مین بھی موجود ہے، اغانی مین ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے جس نے یہودی مقتولین کا

---

[۱] اسکے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب مین موجود ہے اسلیے ہم یہان نظر انداز کرتے ہین [۲] طبقات الشعراء ص ۱۰۹ و ۱۱۰

مرثیہ کہا تھا۔[۱] اسی طرح صاحب تاریخ الخمیس نے ایک خاتون شاعرہ عصمار کا تذکرہ کیا ہے،[۲]

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کیے گئے، لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں، خصوصیت سے سموئل اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں،

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آ گئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے، ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے[۳] خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر ان کے مدارس میں جاتے رہتے تھے، جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے،[۴]

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کیے جاتے تھے، خیبر میں انکے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے، اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے،

مذہبی اثرات اوپر ذکر آ چکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے، اور

---

[۱] اغانی ج ۱۱ ص ۹۰ [۲] ج ۱ ص ۴۰۶ [۳] روض الانف ج ۳ ص ۳۸ [۴] تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۲۶

بہت سے امور میں ان کی اقتدا بھی کرتے تھے، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے، اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابلِ ذکر ہے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

"میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا، اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا، اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں، اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے، اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا، مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے، اس نے کہا کہ اس سرزمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے، اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے۔[۱]

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے،

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز بھی پڑھتے تھے۔[۲] ابن الہیبان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے، اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی

۱۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ملہ العرب

نماز پڑھتا تھا۔[۱]

نماز کے اعلان کے لیے وہ بوق[۲] بجاتے تھے۔ وہ روزے بھی رکھتے تھے۔[۳]

ظاہر ہے کہ یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا، اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے، مثلاً مدینہ کے عرب یہود کے رسم و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں، اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کرلیا، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہوچکے تھے، سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود خود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا، واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے لیے کچھ موانع تھے، جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے، پھر بھی ان میں جو صاحبِ عزم اور صاحبِ ہمت تھے، اور ان موانع کا مقابلہ ڈٹ کر کرسکتے تھے، وہ قبولِ حق سے باز بھی نہیں رہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اس سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحبِ علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے، عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام

---

[۱] تاریخ الیہود ص ۸۵ [۲] سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی تھی [۳] عام کتب حدیث

نظام تھا، اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں، تفصیل آگے آئے گی،

اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا، ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا،

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت قرآن نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے، مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرۂ عرب کے یہود ہیں، اس لیے قرآن نے ان کے جن معائب کی نشاندہی کی ہے، ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں،

دینی گمراہیاں تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح و سعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے، نہ کہ نسل و ذات، مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجات کا معیار ہی سرے سے بدل دیا، اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا، ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لیے کافی تھا، کہتے تھے کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ[1] (مائدہ) ہم اللہ کے لڑکے اور اسکے محبوب ہیں

اور سمجھتے تھے کہ

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے، طبری میں انکا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا،

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (بقرہ) ہم دوزخ میں چند دن کے لیے ڈالے جائیں گے،

ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا گیا،

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (بقرہ)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے لیے (اے یہود!) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کرکے دکھلاؤ اگر تم سچے ہو۔

دوسری جگہ قرآن نے ان کو خطاب کرکے فرمایا ہے،

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (جمعہ)

آپ فرمادیجئے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو،

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی، بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی، یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی، یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا، عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدۂ توحید ہے، اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے رُوح ہو کر رہ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ — میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو"

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق

دیا گیا تھا کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ — میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ) — اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمۂ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی، جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے، قرآن کو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے،

لَعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ (نساء) — ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی،

سورہ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں وبکفرھم کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں، گو یہ کفر، کفر باللہ نہ ہو، مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا، جیسا کہ ایک جگہ قرآن نے ان کے بارے میں وَاَکْثَرُھُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔[1] اور ان میں اکثر فاسق ہیں، اسی بنا پر قرآن ان سے کہتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ — اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور

بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (آل عمران)[2] — تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی عبادت

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے،[3]

---

[1] اس سلسلہ میں بعض یہودیوں مثلاً رفاعہ بن زید وغیرہ کا واقعہ تفسیروں میں درج ہے، [2] آل عمران،

[3] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اسکا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اسوقت یہود کا یہ عقیدہ ہے، یہ بحث طویل ہے اسلیے ہم نظر انداز کرتے ہیں، مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور انکی ضد سے پیدا ہوا، اور عرب کے یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ موجود تھا، چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہودیوں کا نام بھی لیا ہے مثلاً فنحاص، سلام بن مشکم وغیرہم، اس قول نحن ابناء اللہ واحباءہ کا، اور اتخذوا احبارھم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اسمیں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ — اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں،

انھون نے اپنے علما، احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دیدیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہی،

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ — انھون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما و مشائخ

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ) — کو اپنا رب بنا رکھا ہے،

یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونون کے بارے مین ہے، نصاریٰ کے سوء اعتقاد کے بارے مین حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابون مین مذکور ہے، یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر مین طبری مین یہ روایت ہے کہ

قال الربیع قلت لابی العالیہ	ربیع نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے
کیف کانت الربوبیۃ فی بنی اسرائیل	کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب بنا لیا تھا، انھون
قال ما امرونا ائتمرنا وما نھونا عنہ	نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے اسکو ہم
انتھینا لقولھم وھم یجدون	کرتے تھے، اور جس بات سے وہ روکتے تھے ہم رک
فی کتاب اللہ ما امروا بہ و	جاتے تھے، یہ سب انکے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے،
ما نھوا عنہ فاستنصحوا الرجال[2]	حالانکہ وہ باتین کتاب مین موجود ہوتی تھین، چنانچہ
	اس طرح انھون نے احبار و علما کے اقوال و افعال کو
(طبری ج ۱۰ ص ۸۰)	اختیار کر لیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈالدیا،

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اسقدر ماؤف کر دیا تھا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے مین گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے،

---

[1] اس ... بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ بھی اہل کتاب مین سے تھے، یہ غلام تھے، اس لیے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے [2] طبری ج ۱۰ ص ۸۰

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ — یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے،

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے،

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ — اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں،

کتاب الٰہی (توراۃ) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا، وہ کتاب کی تاویل وتفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے، قرآن میں ہے

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ — پھر اسکو بدل ڈالتے تھے اسکے سمجھنے کے بعد،

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ — اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ — اللہ کی طرف سے ہے، اس سے غرض یہ ہوتی

ثَمَنًا قَلِيْلًا (بقرہ) — ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں،

جب اس معنوی تحریف سے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے (مائدہ) اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے[1]،

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ) — کلام الٰہی کو اسکے موقع ومحل سے بدل دیتے ہیں،

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ) — وہ کلام الٰہی کو اسکے موقع سے بدلتے رہتے ہیں،

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ کو آلۂ کار بناتے تھے، اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے، لیکن ان کے عوام جو ان اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے،

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ — اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم

الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَانِيَّ (بقرہ - ۱۰۰) — نہیں رکھتے، لیکن دل خوش کن باتیں،

حضرت زیدؓ بن سعنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی جس سے آپ کو اندازہ

---

[1] اس ۔۔۔ سلسلہ میں متعدد واقعات ہوئے، مثلاً رجم، جیسی آئے جنھوں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے،

ہوگا کہ وہ اس مین کس درجہ بےباک تھے،

ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے مین توراۃ مین جو پیشین گوئیان اور بشارتین تھین، اور جن کو پڑھکر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کو انھون نے چھپانے کی کوشش کی، اسی طرح احادیث مین آتا ہے کہ رجم سے متعلق، توراۃ کے حکم کو بھی انھون نے پوشیدہ رکھنا چاہا، مگر بعض حق پرست علماے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کر دیا، اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا، (بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انھون نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی یہانتک کہ ان نفوس قدسیہ مین سے بعض کو انھون نے قتل تک کر ڈالا، اسی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی (مائدہ)

جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس بارے مین اپنے پیشرؤن سے کچھ مختلف نہین تھے، وہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے مین کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے، (آل عمران) قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران) نبوت و رسالت صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے تھے (جمعہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی انھون نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے پیشرؤن نے اپنے وقت کے انبیاے کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے،

فرشتون کے متعلق ان کے خیالات عربون سے بالکل مختلف تھے، عرب ان کو خدا کا شریک ٹھیراتے تھے، اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے، خصوصیت سے حضرت جبرئیلؑ کے بارے مین وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے، قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی،[1]

---

[1] اس سلسلہ مین طبری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے، ص ۳۷۲، ج ۱

مشرکانہ اوہام وخرافات، جادو، گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا، لبید، عاصم وغیرہ ایسے ہی یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھکر پھونکتے تھے[1]، یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر خاکہ ہے، جن میں وہ دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک مبتلا تھے، اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے،

اخلاق و معاملات — اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے، یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہودی یکساں شریک تھے، ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ مبتذل، رکیک، اور قابل نفرین تھے جن کا انسانیت، شرافت اور فضائلِ اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا، سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے، ذیل کی سطروں میں یہود کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے،

نفاق — یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے، ان میں سب سے اہم منافقت ہے، یہ شرافت انسانی کے لیے ایسا روگ ہے جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے، جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جا سکتی، چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا، انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا، اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا، اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا، قرآن کہتا ہے،

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا — وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم

[1] صحیح بخاری ص [illegible] کتاب الطب،

عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (آل عمران)

ایمان لائے، اور جب تم سے جدا ہوتے ہین تو تم پر اپنی انگلیان کاٹ کاٹ کھاتے ہین ارے غصہ کے، آپ کہدیجئے کہ مرر ہو اپنے غصہ مین،

سورہ بقرہ (ع - ۸) مین اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے،

دوسرون کو بھی اس نفاق پر ابھارتے تھے،

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران)

بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانون پر نازل ہوا (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت، اور شام تک اس سے انکار کردو، شاید کہ وہ پھر جائین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ساتھ انھون نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتون مین آگئی ہے، وہ مسلمانون ہی کے ساتھ نفاق نہین برتتے تھے، بلکہ اس عادت بد کیوجہ سے اپنون تک سے منافقانہ پیش آتے تھے، اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے، غزوات کے سلسلہ مین متعدد مواقع پر انھون نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا،[1]

حرام خوری حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا، قرآن مین ہے،

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ) یہ بڑے حرام کھانے والے ہین،

سورہ مائدہ مین ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے،

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے، رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی

---

[1] مثلاً غزوۂ بنضیر اور غزوۂ خندق وغیرہ کے مواقع پر،

یہ عادی ہو گئے تھے،

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء)	اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے،

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا	یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو انھوں نے اللہ سے کیا ہے، اور بمقابلہ اپنی قسموں کے

اس سلسلہ میں حضرت اشعثؓ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے۔

ان کے علما و احبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے، (توبہ)

حرص و طمع یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لیے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے[1]، سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے[2]، ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (توبہ)	(حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے،
اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا (نساء)	کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے، اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے

خیانت خیانت حرص و طمع ہی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا،

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات [2] ایضاً قتل کعب بن اشرف

وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ	ان مین بعض ہین کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار
لَا يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ	بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے،
عَلَيْهِ قَائِمًا (آل عمران)	جبتک کہ تم انکے سر پہ سوار نہ ہو جاؤ،

پھر اس خیانت کو اپنے لیے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے،

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيِّيْنَ	(یہ خیانت) اسلیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب
سَبِيْلٌ (آل عمران)	کے مال کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں،

بغض وحسد | بغض وحسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے، اسکی موجودگی مین کبھی حق وانصاف کا جذبہ آدمی کے دل مین پرورش نہین پاتا، جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اس کو دوسرون کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہین آتین، یا اگر نظر آتی ہین تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے، اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہوجاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے یہود کی زندگی اس برے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی،

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا	کیا دوسرے آدمیون سے ان چیزون پر جلتے ہین
اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نساء)	جنہین اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہین،
هٰاَنْتُمْ اُولَاءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا	ہان تم ایسے ہو کہ ان لوگون سے محبت رکھتے ہو
يُحِبُّوْنَكُمْ (آل عمران)	اور یہ لوگ تم سے قطعاً محبت نہین رکھتے،

قرآن نے ان کے اسی بغض وحسد کی بنا پر فرمایا کہ

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ	اپنے غصہ سے مر رہو،

دروغ گوئی اور بدعہدی | دروغ گوئی، بدعہدی اور جھوٹی قسمین کھانا ان کا شیوہ تھا،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (مائدہ)	یہ لوگ غلط باتون کے سننے کے عادی ہین،

اتخذوا ایمانھم جنۃ (مجادلہ) — انھون نے اپنی قسمون کو ڈھال بنا لیا ہے،

عہد نبوی مین ان کی دروغ گوئی اور بد عہدی کی بے شمار مثالین ملتی ہین، معاہدہ کے ذکر مین، اس کی تفصیل آئے گی،

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائیوں سے بھی باز نہین رہتے تھے، عرب عورتون کو چھیڑا کرتے تھے، اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے، کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر اس مین بہت بدنام تھا، ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہان گرو رکھ دو، اس کی دنائت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات کا نام لیکر تشبیب[1] کرتا تھا،[2]

ایک برائی ان مین یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔[3]

ان مین خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا۔ حتی کہ وہ اپنے یہودی بھائیون کو گھر سے نکال دیتے، اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس مین برابر لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، یہی نہین بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنون تک کو مدد دیتے تھے،[4]

قرآن نے ان کے ان معائب کی تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے،

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ — تم ایک دوسرے سے قتل و قتال بھی کرتے ہو

---

[1] وہ اشعار جن مین حسن و عشق کے جذبات ظاہر کیے جائین [2] طبقات الشعراء، ص ۱۱۰۔ [3] صحیح مسلم باب رجم یہود [4] اوپر ذکر آچکا ہے،

فَرِیقًا مِّنْكُم مِّن دِيَارِهِمْ (بقرہ) اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالدیتے ہو

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ تم انکو متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل

شَتَّىٰ (حشر) آپس میں متفق نہیں ہیں،

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مسند احمد میں ہے، آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے، ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب، جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی، اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا، تو اس کی دیت کم ملتی، جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کردیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ہم یہ ظلم وستم سہنے کے لیے تیار نہیں۔[1]

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر بھی ان کی تعریف وتحسین کی جائے،

الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ یہ لوگ اپنے اخلاق وکردار پر خوش ہیں اور جو کام انھوں نے

أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا (آل عمران) نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو،

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط، اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پرسکون ماحول کیسے پیدا ہوسکتا ہے، چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون واطمینان کی فضا پیدا

---

[1] مسند ج ۱ ص ۲۴۶

نہ ہو سکی، مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا، امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی، تا آنکہ پورا حجاز انکی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا،

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہوتے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے، ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو[1] اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے،

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدنی اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد، ان میں اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے، اور اس سے جو فوائد اور مضار نتیج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مکہ میں ہوئی، اور ذکر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے، اس لیے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا، لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں ان میں حسب ضرورت اگلے انبیاء خصوصاً حضرت موسیٰؑ کا ذکر ملتا ہے، مثلاً سورہ مزمل میں، جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ملتا ہے، پھر سورہ اعلیٰ میں صحف موسیٰ کا تذکرہ بھی آتا ہے، اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورہ قمر، سورہ ق اور سورہ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ

[1] لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے، چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی باقی رہ گئے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کو وصیت کی تھی،

کی کامیابی اور فرعون کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

غرض مکہ کے ابتدائی سالون مین براہ راست یہود سے قرآن نے خطاب نہین کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جس سے اہل مکہ واقف تھے، تاکہ وہ عبرت حاصل کرین،

مکی سورتون مین سب سے پہلے سورۂ اعراف مین ذرا تفصیل سے "بنی اسرائیل" کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے، جس مین متعدد انعامات الٰہی کو گنایا گیا ہے، اور ان کی بار بار کی ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے، اس سورہ مین یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی موجود ہے، ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک مین موجود ہے، اگر ان مین سے ان آیتون کو نکال دیا جائے جن کو مفسرین مدنی بتاتے ہین، تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ مین نازل ہو چکا تھا[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن مین بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جارہا تھا،

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گذر چکے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اہلِ مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے، ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہین دیا، لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کو

---

[1] ابن جریر نے قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ مین یہ آیت الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً الایۃ یہود کے بارے مین نازل ہوئی جنھون نے اس کی پہلی والی آیت کے بارے مین جس مین تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حال مین اور زکوٰۃ نکالتے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث و مباحثہ کرنے لگے تھے، مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہین ملی جس سے مکہ مین براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو، اس لیے حاشیہ مین اسکا ذکر کیا گیا،

ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا، مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے، اسلیے انھوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو انکے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے،

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح[1]، اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے مین جو آیات نازل ہوئین، وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہین، جو انھون نے یہود سے پوچھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق کیے تھے، اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے بارے مین سوال کرو، اگر وہ نبی ہون گے، تو جواب دین گے،[2]

لیکن اب تک یعنی سورۂ اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے مین کہا گیا، یا تو اہل عرب کو براہ راست خطاب کرکے کہا گیا، یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا، تو یہودیون کو براہ راست خطاب نہین کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست تعلق نہین

---

[1] روح کے سلسلہ مین عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ مین کیا گیا تھا، مگر تر مذی مین ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم کو کچھ ایسی باتین بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرین، اس کے جواب مین یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے مین ان سے سوال کرو! فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳، اصحاب کہف کے سلسلہ مین طبری مین حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان چیزون کے بارے مین سوالات کرنے کے لیے کہا تھا، بہرنوع دونون باتین بیک وقت ممکن ہین، اس مین کوئی تضاد نہین، سیر کی کتابون مین تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک دفعہ بھی یہود مدینہ کے پاس آپ کی نبوت کے بارے مین دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا ممکن ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہو،

[2] طبری ج ۱۵ ص ۱۱۸

پیدا ہوا تھا، سورۂ اسراء کے بعد سورہ یونس کا نزول ہوتا ہے، اس مین بھی یہود کی پچھلی تاریخ کو دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انھون نے دین کے بارے مین علم الٰہی آجانے بعد بھی اختلاف کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ان قرآنی قصون مین شک کرنے والون کو خطاب کرکے ارشاد ہوا،

فسئال الذین یقرؤن الکتٰب من قبلک (یونس) | تو آپ ان لوگون سے دریافت کیجیے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابون کو پڑھتے ہین (یعنی توراۃ وانجیل)

اس آیت سے دو باتین معلوم ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ یہود مین اس وقت ایسے صالح الفطرت لوگ موجود تھے، جو اظہار حق کرسکتے تھے، اور دوسری یہ کہ اب ان مین اور مسلمانون مین براہ راست سوال وجواب کے امکانات پیدا ہوگئے تھے، لیکن ان امکانات کے لیے قرآن کی اندرونی شہادت تاریخ نزول قرآن، اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہین ملتا، اس لیے اس سلسلہ مین جو کچھ بھی لکھا جائے گا، اس مین غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن وسیرت کے مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کرسکا ہے، اس پر اسے وثوق ہے، اس لیے اسے پیش کرنے کی جرأت کررہا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

صحیح روایتون کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا، ظاہر ہے کہ سورۂ اسراء (یعنی سورہ بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی، اور سورہ یونس جسمین اوپر کی آیت مذکور ہے، سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہین کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی سنہ نبوی مین ان کے چھ آدمیون نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورۂ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے، ظاہر ہے کہ

[1] بعض مفسرین نے اس سلسلہ مین عبد اللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے، صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے،

یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے، اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا، عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا، عام اہل مدینہ نے جس میں یہودی بھی تھے، اسے جانا بھی ہوگا، ہمارے نزدیک اسی کا اثر تھا کہ دوسرے سال یعنی ۱۱ نبوی میں یہ تعداد دگنی ہوگئی، اور ۱۲ آدمیوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے جو وہاں رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے، چنانچہ آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ پہنچے تو گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا، خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے، ان کی اس حیثیت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آ بھی چکے تھے، انھوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں، اور بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا بھی ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے[1]، جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لیجائیں[2]،

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا وہ صحیح نہیں ہے[3]، اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے[4]، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ

---

[1] اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا [2] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۶۷، بحوالہ زرقانی اور ابن سعد [3] جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور یہ آیت مکی ہے، اسلئے اس سے انکو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا [4] بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے، اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے مین گفتگو اور بحث و مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا، اور انھون نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی، جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے، ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت مین کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگون سے (مسلمانون کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب کے عالم ہین،

بیانات مذکورہ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداءً اسلام کے مقابلہ مین یہود کا رویہ معاندانہ نہین تھا، بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے، مگر جون جون اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے، ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی، سورہ یونس کے بعد ہود اور حٰم سجدہ وغیرہ سورتین نازل ہوئین، جن مین ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھکر قرآن کا انکار کر رہے ہین[1]، ان سورتون کے بعد سورہ غاشیہ کا نزول ہوا، اس مین بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی، پھر سورہ صافات نازل ہوئی جس مین ان کی کتاب تورات کو "اماماً و رحمۃً" کے الفاظ سے یاد کیا گیا، اور قرآن کو اس کا حریف نہین بلکہ مؤید قرار دیا گیا، پھر سورہ انبیاء اتری، اس مین اس کو "الفرقان" اور "ضیاء" کہا گیا، لیکن اس ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش مین کوئی تبدیلی نہین پیدا ہوئی، بلکہ اسلام اور مسلمانون کی مخالفت مین وہ اور زیادہ سخت ہو گئے، اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن مین ہے، پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اکسانے اور اعتراض کے لیے ابھارنے لگے، چنانچہ سورہ انعام مین کھانے پینے سے متعلق محرمات کے سلسلہ مین ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ — اور یہودیون پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے

---

[1] ۱؎ آیت ۴۱ اور ۴۲

سورۂ نحل میں مکرر ارشاد ہے

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا	اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جنکا
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ	بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں،

ان دونوں آیتوں میں "الَّذِينَ هَادُوا" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں، اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا، پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا:

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ (انعام)	انکی شرارت کے سبب ہم نے انکو یہ سزا دی تھی،
وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ	ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ
يَظْلِمُونَ (نحل)	خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے،

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقا، قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح الفطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا، اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعہ ہوتا تھا، اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعہ جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد

یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں افق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے، یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور یمون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی[1]، علماء و احبار یہود کی بار بار کی یاد دہانی، اور انصار کی مکہ میں آمد و رفت کے ذریعہ آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا، بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کی آمد آمد کا انتظار کر رہے تھے، جونہی آپ جلوہ فرمائے مدینہ

[1] اس پر بحث پیچھے لکھا جا چکا ہے،

ہوئے، وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[۱]۔ ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا[۲]، مگر ان کی تیرہ بختی نے نورِ حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا، اور وہ مسلمان نہ ہو سکے،

عبد اللہ بن سلامؓ اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور الٹا اثر پڑا، اور انھوں نے اس اقدامِ حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی،

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا، مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا، اس لیے آپ نے مسجد نبوی و کاشانۂ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہودِ مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدۂ امن و صلح تھا، تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے، اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے، اس کا ازالہ ہو جائے، چنانچہ آپ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ

---

[۱] ابن الہیبان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاد دلایا تھا، کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے، انصار کے سامنے آپ نے پہلی بار اسلام پیش کیا، تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا، اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبقت لیجائیں، اور ہم رہ جائیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاکِ بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دی تھی، ابھی اوپر حضرت سلمہؓ کی روایت گذری ہے، جس میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہود کے ایک پورے مجمع میں آپ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا [۲] مثلاً ابو یاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے وہ آگئے ہیں، انکی اطاعت کرو، مگر اسکے بھائی حیی بن اخطب نے اسکی مخالفت کی، چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا، اس لیے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی، فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۲

اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ، خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا،

آپ بنفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ان کے جنازے جاتے تھے تو آپ احتراماً کھڑے ہوجاتے تھے، آپ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے،[۱] جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہوجاتا، آپ تورات کے حکم پر عمل کرتے، اور اس میں خود یہود سے مشورہ کرتے تھے، آپ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورا کا روزہ رکھتے تھے، یہود آپ سے اور مسلمانوں سے بحث و مباحثہ کرتے، مگر آپ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے، ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰؑ افضل ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سخت گفتگو ہوگئی، یہود خدمت نبوی میں شکایت لے کر آئے، آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا، مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونسؑ کا ذکر آیا، تو اس وقت بھی آپ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف یہ لطف و کرم اور اخلاق و محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا، دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے، آپ کی توہین کے لیے راعنا[۲] کا لفظ استعمال کرتے، آپ سے اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے، آپ کی شان میں گستاخیاں اور آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے، مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے، ان سے بدکلامیاں کرتے، لیکن ان کی

---

[۱] ترمذی شریف باب اذا عطس الیہود [۲] راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجئے، مگر یہود اسکو زبان دبا کر راعینا کہتے جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں، انکی اس روش کو دیکھکر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے "انظرنا" کا لفظ استعمال کرو۔ تاکہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے،

مسلسل ایذا رسانیون، گستاخیون شرارتون، ریشہ دوانیون، فتنہ آرائیون اور شر انگیزیون
کے باوجود مسلمانون کے ہاتھ سے صبر وتحمل کا دامن کبھی نہین چھوٹا، اور ہمیشہ ان کے مقابلہ مین
وہ حلم وبردباری اور صبر وضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے، اور انھون نے اس کا
خاص طور سے خیال رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جو صلح وامن کے لیے مضر اور
اس معاہدہ کے خلاف ہو، جو ان کے اور مسلمانون کے درمیان ہوچکا تھا، چنانچہ قرآن یہود
کے اس طرز عمل کے بارے مین، مسلمانون کو ہدایت دیتا ہے،

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	اور تم بہت سی دل آزاری کی باتین اہل کتاب
الْكِتَابَ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا	(یہود) اور مشرکین سے سنوگے، تو تم اگر ان پر
اَذًى كَثِيْرَةً وَاِنْ تَصْبِرُوْا	صبر کروگے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ	کروگے تو یہ عزیمت کا کام ہوگا ....
الْاُمُوْرِ (آل عمران)	....

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانون کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا، اور جس رفق ولینت اور
حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آرہے تھے، اس کا تو تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانون سے
قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون ومددگار بنتے، لیکن ہم دیکھتے ہین
کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانون سے دن بدن دور ہوتے جارہے تھے،
اس کے اسباب اور موانع کیا تھے، اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہان لکھتے ہین،

(۱) یہود مین متعدد طبقے تھے اون مین سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا،

(۲) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی
اور نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الٰہی کا نزول نہین ہوگا [۱] لیکن یہ بہت محدود تھا، اس خیال کے

[۱] التلمود بحوالہ تاریخ الیہود

یہود عرب میں زیادہ نہ تھے،

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا، اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کریگا چنانچہ انھوں نے بارہا آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ کی خدمت میں آئے، اور آپ سے چند سوالات کیے، آپ نے جواب دیا، تو کہا کہ بیشک آپ نبی ہیں، ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤد نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی، اگر ہم آپ کا اتباع کرین گے تو یہود ہم کو قتل کردین گے۔[۱]

اس خیال کے یہود بکثرت تھے، اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے،

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰؑ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں، یہی یہود کا اعتدال پسند گروہ تھا، اور یہی آپ کی بعثت کا منتظر تھا، اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا،[۲] مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا، اور ان کے ساتھ رہے، اور دولت ایمان سے محروم رہے۔

(۲) عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور انکی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا، لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی۔

---

[۱] مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵، نسائی باب تحریم الدم [۲] تفہیم و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں، اسلیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بنجاتی ہیں، لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو انشاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئیگا،

تو انھون نے مخالفت شروع کر دی،

حضرت عیسیٰؑ کے بارے مین یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی مین اس کا ابطال کیا، اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا،

دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابون مین ایسی بے سروپا باتین، اور ان کے درمیان، ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہین آتا تھا بلکہ انکے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا، قرآن نے اس طرح کے قصون اور افسانون کی بھی تردید کی، اور انبیاء کی عصمت وعفت کی شہادتین پیش کین سورہ انعام، سورہ مریم، سورہ صافات مین ایک ایک کا نام لیکر کسی کو صدیقاً نبیاً، کسی کو کان من المخلصین وغیرہ کہا، اور سورہ انعام مین تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کل من الصالحین، سب کے سب صالح اور نیکوکار تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ انھون نے بہت زیادہ متہم کیا تھا، اور عجیب وغریب واقعات بلکہ کفر وشرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا، قرآن نے سورہ نحل، پھر سورہ بقرہ مین اس کی تردید کی، اور ان کو ان چیزون سے منزہ قرار دیا، اسی طرح دوسرے واقعات قصص وحکایات کا بھی قرآن نے رد کیا، ظاہر ہے کہ یہ ساری باتین یہود کے توقعات کے خلاف تھین، اس لیے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا، اور وہ برافروختہ ہوئے،

(۳) یہود، جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین، ہر طرح کے اخلاق ذمیمہ اور معائب سیئہ مین مبتلا تھے، مگر اس کے باوجود اہل عرب مین عزت وشرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس لیے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت وروش پر مطمئن ہی نہین تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لیے جائز بھی سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے مین انھون نے اپنے خیال کا اظہار

کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کی موجودہ حالت کا زوال تھا خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی کی تو قطعی موت تھی، اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے، اس لیے انھوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی، چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی ہی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

(۴) یہود نے شرف و نجات کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا، اسلام آیا تو اس نے شرف و عزت، نجات و بخشایش کا مدار ایمان و عمل قرار دیا، اس نے یہ اصول بتایا،

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا[1] (مزمل-۲)	اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچکر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

شرف و عزت کا یہ معیار قرار دیا،

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات-۲)	تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف و عزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں، اس لیے وہ چراغ پا ہو گئے۔

(۵) اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے، اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی، اس لیے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کم تر

[1] یہ آیت سورۂ مزمل کی ہے جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے، خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا، ان میں اسلام آیا اور انھوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا، تو ان کی دینی اور علمی بے مائگی دور ہونے لگی؛ اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا، قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف و فضل کی حامل ہوتی ہے، تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بنانا پسند نہیں کرتی، چاہے اس شرف و عزت کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی نہ رہ گیا ہو، اس بنا پر یہود اپنے فضل و شرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف و خصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے،

(۶) ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی، نہ اخوت، بلکہ ہر طرف اختلاف، انتشار، اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا، اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا، ظلم و ستم کے بجائے اخوت و مساوات کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت و مساوات اور اتحاد و اتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی، پھر مدینہ پہنچکر آپ نے اس کا عملی نمونہ یہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے، ان کو شیر و شکر کر دیا، پھر اس سے بھی بڑھکر مہاجرین اور انصار میں آپ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا، انصار کے قبائل خصوصیت سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آرہا تھا، اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے، اس لیے ان کو متحد و متفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے،

پھر اسی اخوت و مساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا، اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے،

ایک غالب اور مضبوط تھا، دوسرا مغلوب اور مقہور، غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا رہتا تھا، حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا، توان کو سو وسق دیت دینی پڑتی، اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیت دیتے، یہ ظلم و ستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، آپ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا، تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ

انا انما اعطینا کم ھذا ضیماً	ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف
منکم لنا وفرقا منکم فاما اذ اقدم	کیوجہ سے دیتے رہے ہیں، اب جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
محمد فلا نعطیکم ذالک	کے آنے کے بعد ظلم وزیادتی کا خوف نہیں ہی، تو ہم
(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۶)	زیادہ دیت نہیں دے سکتے۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لیے کسقدر روح فرسا ہوئی ہوں گی۔

(۷) یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے، جب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی، مگر جب تحویل قبلہ ہوا توان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا، ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی، اب اس میں اور اضافہ ہوگیا، پہلے وہ یہ کہکر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، اب وہ یہ کہکر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لیکر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے، اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رخ کرکے عبادت کرچکے ہیں، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں، چنانچہ ان کے اس کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا، اس لیے قرآن نے ان کے

تمام اعتراضات کا جواب دیا، سورہ بقرہ رکوع ۱۷ و ۱۸ امیں اس کی پوری تفصیل موجود ہے،

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اسقدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے، مثلاً کعب بن اشرف رفاعہ بن قیس اور قروم بن عمر وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا، اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمھاری تصدیق اور اتباع کریں گے۔[۱]

ظاہر ہے کہ یہ بات انھوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کہی تھی، نہ یہ منشا تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کر لیں گے، بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا،

(۸) ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے، وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے، مگر چونکہ عام یہود آبادی اس کی مخالف تھی، اس لیے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے، اس سلسلہ میں احادیث وسیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں،

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ کے پاس آئے، اور انھوں نے آپ سے تسع بینات[۲] کے متعلق سوال کیا، ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو، آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو، جادوگری اور سود خواری سے باز آؤ، پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، بزدلی

---

[۱] طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ [۲] قرآن میں ہے کہ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تسع آیات کیا ہیں اس میں اختلاف ہے،

نہ دکھاؤ، کسی کمزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھکر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے کی کوشش نہ کرو۔

آپ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انھوں نے آپکے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دیا، اور پکار اٹھے

نشھد انک نبی — ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک نبی ہیں۔

آپ نے فرمایا جب تمھیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے، انھوں نے کہا،

انا نخشی ان تبعناک ان یقتلنا الیھود (مسند طیالسی ص ۱۶۰ جزء ۵ و نسائی) — ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپکا اتباع کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے،

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا، اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ اسکے یہاں سے تمام یہودی علما و احبار کو وظیفے ملتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے، انھوں نے کہا کہ

ھوالذی کنا ننتظر — یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے،

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لیے یہ کہہ کر کہ میرے مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے سے انکار کر دیا، علما و احبار اس کے یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا، دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دیدیا تھا، بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی، یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہ منتظر نبی نہیں ہیں، اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیے اور یہ اعلان کر دیا کہ

لکل من تابعھم من الاحبار شیئا — جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان احبار کا

ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے،

من ماتل (ج ۲ ص ۹-۱۰) اتباع کریں انکو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔

اوپر جو اسباب و موانع بیان کیے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت یا کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت، خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں، اور اس کو چھپانے کے لیے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ

اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلۂ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں، معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا،

(۲) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۳) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا،

(۴) قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔

(۵) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کریگا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ کریگا تو دونوں فریق ملکر مقابلہ کریں گے۔

(۷) خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔

(۸) یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے، یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود سے متعلق ہیں جن کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے یہود کے معاہدہ میں یہ بات بھی کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا، اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا، اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلۂ واقعات میں کرتے ہیں، لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد یعنی سنہ۲ھ میں مرتب ہوا، اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں، مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے اختلاف ہے، اور اس کے لئے اس کے پاس دلائل بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوۂ بدر کے بعد تسلیم کیا جائے تو پھر بنو قینقاع کے زمانۂ اخراج کو کچھ آگے بڑھانا پڑے گا، اس لیے کہ سنہ۲ھ کے رمضان میں غزوۂ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے، ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہودیہ تھے، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا، یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اسلیے اور بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں ذیلی یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ اس مین شریک ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ان مین سے کسی قبیلہ نے مسلمانون سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے، بلکہ بعض مواقع پر تو انھون نے اپنے ہم مذہبون کے علی الرغم مسلمانون کی مدد بھی کی، اگر یہ تمام یہودی قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ

ابتک ان کی جو روش تھی، اس سے مسلمانون کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہین کس وقت وہ نقض عہد کرکے ان پر حملہ کر دین، اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ مین رہے، آپ جب کسی غزوہ مین مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے، یہی نہین، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتون کو بھی ختم کرتے جارہے تھے، جنکا مرعی رکھنا ان کے لیے ضروری تھا، غزوہ بدر مین معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانون کی مدد کرنی چاہیے تھی، مگر انھون نے کوئی مدد نہین کی پھر بھی ان کو اس پر نہ کوئی شرمندگی ہوئی، اور نہ ان کے طرز عمل مین کوئی فرق آیا بلکہ بنو قینقاع نے تو غزوہ بدر کے فوراً بعد ہی نقض معاہدہ[1] کا اعلان کر دیا، اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انھون نے بے حرمتی کی، لیکن آپ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہین کیا، بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کرکے سمجھانے کی کوشش کی، اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار و جحود پر قائم رہے، تو آخر مین آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، کہین ایسا

[1] غزوہ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ مین نہین آتی کہ انھون نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہین، اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو بآسانی ختم ہو سکتے ہین[2] واقدی ص ۱۸۰

نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الٰہی تم کو بھی پالے، انھون نے کہا، ہم قریش نہیں ہین، ہم سے جنگ ہو گی تو معلوم ہوگا، چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید جہلت کا موقع باقی نہین رہ گیا تھا، اس لیے مسلمانون نے ان کے مکانون کا محاصرہ کر لیا، آخر کار انھون نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا، اور وہان سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنون کے بعد شام چلے گئے[1]

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ مین پتہ چلتا ہے، ممکن ہے جن لوگون نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو، کوئی عبرت حاصل نہین ہوئی، اور نہ انھون نے اپنی روش مین کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انھون نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیان شروع کر دین، خفیہ سازباز کی، قریش کو در پردہ مدد دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انھون نے عملاً توڑ ڈالا، تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا، اور ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی، اس لیے کہ معاہدہ مین بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقض معاہدہ کریگا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑیگا، یعنی سنہ ۴ھ مین بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا، اور ۵ھ مین بنو قریظہ کا استیصال کیا گیا،

ہم نے یہان قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے، اس لیے کہ اس مختصر مقدمہ مین ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجایش نہین ہے، حالانکہ اس سلسلہ مین عاجز کے مطالعہ مین بعض ایسی چیزین بھی آئی ہین جو سیرت کی متداول کتابون مین نہین ملتین، مگر یہان ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہین ہے۔

[1] واقدی ص ۱۸۳

سنہ ھ میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پرسکون ہو گئی مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی، یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قینقاع تو وادی القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہو گئے، خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا اہم مرکز تھا، یہاں پہنچکر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں، انھوں نے خیبر کے یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا، ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا، اس وفد کا سرگروہ حی بن اخطب تھا، اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے،

قریش : بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب : ترکتھم بین خیبر و — میں نے انکو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے،

المدینۃ تترددون حتی تاتوھم — وہ گشت کر رہے ہیں اور تمھاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں

فتسیروا معھم الی محمد واصحابہ[1] — تم انکو محمد اور انکے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤگے،

قریش : بنی قریظہ کا کیا حال ہے،

حی بن اخطب : اقاموا بالمدینۃ — بنو قریظہ مدینہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دھوکا

مکرا بمحمد حتی تاتوھم — دینے کی غرض سے مقیم ہیں، جب تم مدینہ پہنچوگے

فیمیلوا معکم[1] — تو وہ تمھارے ساتھ حملہ کر دیں گے،

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا، دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے، تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی، جو غزوۂ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی، انھیں

---

[1] مغازی واقدی ص ۹۶-۳۹۵ مطبوعہ بیپٹسٹ پریس کلکتہ

حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے، لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانون کے حسن تدبیر سے انکو زبردست شکست ہوئی،

بنو قریظہ جس مقصد سے ابتک مدینہ مین رکے ہوئے تھے، اس کا اس موقع پر انھون نے درپردہ اظہار بھی کیا، مگر ناکامیابی کے آثار دیکھکر وہ کھل کر سامنے نہین آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی درپردہ کیادیون اور فساد انگیزیون کا چونکہ علم ہوچکا تھا، اس لیے غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہی مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا،

یہود خیبر سے جنگ غزوۂ خندق کی عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامیابی کے بعد بھی یہود کو تنبہ نہین ہوا، اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل مین جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر مین لگ گئے، اس وقت یہود خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا، اس نے تمام عرب قبائل مین دورہ کیا، اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کو ابھارا، یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیشرو ون نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ کے لیے جو تدبیرین اختیار کین، وہ غلط تھین، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے، اور مین یہی طریقہ اختیار کرون گا،[1]

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا، ان کے الفاظ یہ ہین،

لما کان بین اھل مکۃ واھل خیبر	اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ
من المواخاۃ علی ان رسول اللہ	تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونون
صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجہ الی	مین سے کسی فریق پر حملہ کرین تو دوسرا فریق

[1] زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶

احد الفریقین اغار الفریق الآخر[1] اس کی جنگی مدد کرے۔

ایک طرف یہود کے مکروفریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا، دوسری طرف خود اہل مکہ غزوۂ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے، جس کی اطلاعیں برابر بارگاہ رسالت میں پہنچتی تھیں، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کیلیے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کر لی تاکہ دشمن کا ایک بازو بیکار ہو جائے،

امام سرخسی لکھتے ہیں

فوادع اهل مکة حتی یامن جانبهم[2]	اہل مکہ سے آپ نے معاہدۂ صلح کر لیا جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا، چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا، اس لیے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان کر دیا کہ

لا یخرجن معنا الا راغب الجهاد	صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو

اس کے دو مقصود تھے، ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں، اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لیے نہیں، بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت خود اختیاری کے لیے ہے،

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے، تو یہود کے بعض حلیف قبیلوں نے راستہ میں ان سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی، مگر مسلمان ان تمام موانعت سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے،

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے،

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۲۰۱ [2] مبسوط ج ۲۳ ص ۹

ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے، ابن یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے، اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا، تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی، مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا، یہود قلعہ بند ہوکر لڑ رہے تھے، پھر ان کے پاس منجنیقیں تھیں، جنھیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے، لیکن آخر کار یہود کے یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے، اور ان کو شکست فاش اٹھانی پڑی،

خیبر کے یہود کی گذشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا، ان کے قلعے، مکانات، باغات سب واپس کر دیے، ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں، اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے رہیں گے،

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں، اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آکر مسلمان ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جاؤ، جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ،

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے تھے، وہ ان کو واپس کر دیے گئے[۱]،

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک نہیں مقرر کیا گیا، بلکہ مسلمان تحصیلدار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے، وہ غلہ کی وصولی میں اسقدر عدل وانصاف

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۴۱-۴۳

برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے، اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو، یہ دیکھ کر یہود کہتے تھے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے یہ زمین و آسمان قائم ہیں،[1]

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں،

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے، جو ان کے ہم مذہبوں کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا، ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کیلئے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا، امام سرخسی لکھتے ہیں،

ان الیہود بالحجاز کانوا ینظرون	حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مایؤل الیہ حال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کے درمیان جو جنگ تھی، اس کے نتیجہ کا انتظار
مع اھل خیبر فقد کانوا عز الیہود	کر رہے تھے، اسلئے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہود یوں
بالحجاز فلما صاروا مقھورین	میں سب سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر تھے،
ذلت سائر الیہود وانقادوا	جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے،

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیما، وادی القریٰ اور بنو عاذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی،

حجاز سے باہر مقنا، جربا، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ و ۹ھ کے درمیان اطاعت قبول کی، غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا، اور پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی،

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم و فنون کی

---

[1] مبسوط سرخسی ج ۲۳ ص ۷

ترقی و خدمت میں انھوں نے کیا حصہ لیا، اس کے کیا مفید و مضر اثرات مترتب ہوئے، مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انھوں نے کیا اثر ڈالا، اور اسلامی تمدن و معاشرت کے انھوں نے کیا اثرات قبول کیے، وغیرہ تشنہ تفصیل ہیں، لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی واماندگی نظر کا احساس ہے، اس لیے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، اور نصاری کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو اس مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے،

نصاریٰ

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی، جزیرہ عرب میں اس کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی، اسکو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا، صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے، تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے، یہود یا تو یہاں ہجرت کرکے آئے تھے، یا تجارت کی غرض سے آئے، اور پھر یہاں آکر آباد ہوگئے، جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا، اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتدا اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی، تجارتی آمد و رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی، اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا، مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے، تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کرکے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو، اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ دو عیسائی حکومتیں قائم تھیں، جن کے اثر سے

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں، نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے، جب حضرت عیسیٰ کے نام کیطرف انکی نسبت ہوتی ہے، تو عیسائی کہے جاتے ہیں، اور جب آپکے وطن ناصرہ کیطرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں،

یہان عیسائیت کو فروغ ہوا، اس لیے پہلے ان کے اور عربون کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے،

رومیون اور عربون کے قدیم تعلقات

قدیم زمانہ سے عربون کی تجارت تقریباً تمام قریب بعید ملکون مین تھی چین ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لیجاتے تھے، خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیون کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے،[۱] لیبان نے لکھا ہے کہ ۲ صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیون اور عربون کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جواہرات وغیرہ کی قسم کی چیزین جو ہندوستان وچین سے آتی تھین، اور عربون کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھین، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے، اسی لالچ مین رومیون نے کئی بار جزیرہ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہین ہوئے،[۲]

عربون اور رومیون کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہین ہوئے تھے لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان مین اور عربون مین جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے،

رومی عیسائیون سے تعلقات

قدیم زمانہ مین یمن کے متعدد عربی قبیلے ترک وطن کرکے دمشق و کوفہ مین آباد ہو گئے تھے، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیون مین ان قبائل نے یہان اپنی متعدد نوآبادیان اور قبائلی ریاستین قائم کر لی تھین، ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) مین ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق مین رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلیح جنکو

---

[۱] تمدن عرب ص ۸۵ [۲] ایضاً ص ۳۰

ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں، ان کی نو آبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ مین اور بھی متعدد قبائل آباد تھے،

عربون کو ایرانیون اور رومیون دونون سے نفرت تھی، اور پھروہ معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہین تھے، اس لیے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقون مین برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے، رومیون اور ایرانیون مین صدیون سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونون کچھ تو اپنے سیاسی مصالح اور دوسرے عربون کی آئے دن کی غارتگری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے، جس مین دونون کو کامیابی ہوئی، ایک طرف اگر ایرانیون نے آہستہ آہستہ حیرہ کے عربون کو اپنا ہمنوا بنالیا[1]، تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے مین کامیاب ہوگئے، اور وہان اپنی ایک باجگذار ریاست بنالی[2]

دمشق مین پہلے قبیلہ ضجعم کی جو یہان کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باجگذار حکومت قائم ہوئی، سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کرکے دمشق آیا تو ضجعمیون نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا، پہلے تو اس کے ادا کرنے مین انھون نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہوگئے، اور کچھ دنون تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونون مین جنگ ہوئی جس مین ضجعمیون کو شکست ہوئی اور غسانیون نے یہان اپنی حکومت قائم کرلی جس کا سردار اور پاحکمران ثعلبہ تھا،

غسانی چونکہ رومیون کے ٹیکس سے عاجز آکر لڑائی پر اتر آئے تھے، اسلیے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیون سے نہ مل جائین، اس لیے انھون نے غسانی سردار ثعلبہ

---

[1] تمدن عرب ص ۹۵ [2] خطط الشام ص ۹۳ ج ۱

کے پاس پیام بھیجا کہ "تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقتور قبیلہ کو شکست دیدی، اس لیے ضجعمیون کی جگہ تمھین حاکم مقرر کیا جاتا ہے، تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمھاری مدد کرے گی، اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوا تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کروگے، اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیون کے باہمی معاملات مین تمھین کوئی دخل نہ ہوگا، چنانچہ طرفین مین یہ معاہدہ ہوگیا، اور غسانیون کی حکومت یہان قائم ہوگئی؛ [1]

غسانی حکومت کس صدی مین قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے، عام مورخین اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کی ابتدا کا واقعہ ہے، مگر حبیب کتاب المحبر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی سالون مین ہوئی، محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیون سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس (Decius) تھا، جس کی وفات ۲۵۱ء مین ہوئی [2]، اس سے ظاہر ہے کہ غسانیون کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی، غرض غسانیون نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی، اور سخت سے سخت وقت مین بھی رومیون کا ساتھ نہین چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہانتک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہوگئے [3]۔

عربون کی یہی سرحدی ریاست جزیرۂ عرب مین عیسائیت کی سوغات لائی، اور پورے جزیرہ مین اس کو لیجا کر تقسیم کیا، اس کے بعد رومیون کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے،

---

[1] کتاب المحبر ص ۳۷۱، حیرہ کی تاریخ جتنی اجاگر ہے، اتنی ہی غسانیون کی تاریخ الجھی ہوئی ہے، یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع مین کتاب المحبر سے لیا ہے، جو بہت واضح ہے، اور جس سے غسانیون کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے [2] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ابتک یہ خیال تھا کہ ۵۱۹ء کا واقعہ ہے، سیاسی زندگی ص ۲۵۷ [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالۂ سیاسی زندگی،

یعنی ان کی اسی حکمبرداری کے سایہ مین ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا جس سے عربون کے دل ودماغ اثر پذیر ہونے لگے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ مین سرحدی عربون کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستین پورے طور پر رومیون کے سیاسی اثر کے ماتحت آگئین، اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کرلی، ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقامات و قبائل ہی تک محدود نہین رہے، بلکہ انھون نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہرون مکہ، یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی،

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا، اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی، اس لیے ہر زمانہ مین ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، پہلے جرہم اس پر قابض تھے، اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پر دادا کے دادا قصی نے خزاعی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا، اس کی لڑکی سے شادی کرلی قصی نہایت ہوشمند اور صاحب صلاحیت تھے، اس لیے حلیل جب مرنے لگا، تو کعبہ کی تولیت کے لیے ان کو وصیت کرگیا، لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی، اور قصی کامیاب ہوگئے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ

واعانہ قیصر علیہا (لمستہ) — قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول مین قصی کو مدد دی،

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب مین ایک مرتبہ یہودیون اور اوس وخزرج مین جنگ ہوئی تو غسانی عیسائیون نے ان قبیلون کی مدد کی تھی[1]، ظاہر ہے کہ رومیون اور غسانیون کی قصی اور اوس وخزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہین تھی، بلکہ

---

[1] ابو الفداء ص ۹۸، وفاء الوفاء

اس مین ان کی ایک سیاسی غرض بھی پوشیدہ تھی یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز مین بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہوجائے اور وہ اس مین کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے تفصیل آگے آتی ہے،

اہل حبشہ اور عربون کے تعلقات

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز مین عیسائی اثرات، رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستون کے ذریعہ پھیلے، مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقون مین عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی، اسلیے اسکے اور عربون کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے،

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ اتبرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ جبرہ سے ثابت کیا ہے،[۱] ابن خلدون نے جبرہ کے متعلق تو نہین، مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخون کے بارے مین لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے،[۲] ممکن ہے اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کرلی ہو،

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کرلیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربون اور اہل حبشہ مین تعلقات قائم ہوچکے تھے،[۳]

یمن مین عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا، پانچوین صدی عیسوی سے پہلے یہان عیسائیت پہنچ چکی تھی، اس وقت یہان حمیری حکومت تھی، جس کے فرمان روا عموماً یہودی تھے، آخری فرمانروا ذو نواس تو غالی یہودی تھا، یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت مین برسون سے کشمکش تھی، یمن مین عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھی، اسلیے وہ اس ملک مین اس کے خاتمہ کی فکر مین تھی، اسی اثنا مین ایک اتفاقی واقعہ پیش آگیا کہ ذو نواس یہودی

---

[۱] سیاسی زندگی ص ۱۳۹ [۲] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۴۴ [۳] اسلیے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے [illegible] مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے، اور سد مارب کے متعلق اوپر ثابت ہوچکا ہے، یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا مین پیش آیا،

نجران میں قتل کر دیے گئے، ذو نواس کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا، پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا، اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا، مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ[1] میں ذو نواس کے اسی حملہ اور قتلِ عام کی طرف اشارہ ہے،

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے، وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لیکر پہنچے، اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں، غالباً وہ تنہا اپنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی بعض مورخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے، بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں، اور کچھ روم، اور مدد کے خواستگار ہوئے ہوں،

بہرحال قیصر متاثر ہوا، اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں، خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں، اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی، اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی، اور یمن پر حملہ کر دیا، جس میں ابتداءً ان کو شکست اٹھانی پڑی، مگر فوراً ہی حبشہ سے مزید کمک آگئی، اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دیدی، ان کے فرمانروا ذو نواس نے خودکشی کر لی، یہ واقعہ ۵۲۶ء کا ہے، ذو نواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آگیا، اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ ہوا، اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا، اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا، جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا،

---

[1] اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آچکی ہے،

ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ، یا عیسائیون کے سیاسی تغلب کے ماتحت ہوا ہے، ان واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے،

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد، اس کی طرف سے برابر گورنر مقرر ہو کر وہان جاتے تھے یمن مین حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گذرا ہے، جو بڑا مذہبی تھا، اور جس نے وہان بہت سے تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیے ہین، جن کی وجہ سے اس کا نام ابتک زندہ ہے، مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجون کی تعمیر وغیرہ،

اصحاب الفیل اسی ابرہہ کے زمانہ کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی مین اصحابِ فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے، جس کا عربون سے بڑا گہرا تعلق ہے، اور قرآن مین اس کا ذکر آجانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے، اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کیے ہین، جن مین سے ایک یہ ہے کہ

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا مین ایک کلیسا تعمیر کرایا، اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہان آئین، اور اس کو کعبہ بنائین، کسی طرح عربون کو اسکا علم ہو گیا، اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا، اور ایک شخص نے صنعا جا کر کلیسا کو گندہ کر دیا، ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پر حملہ کر دیا،

دوسرا یہ کہ کچھ عربون کی غلطی کی وجہ سے کلیسا مین آگ لگ گئی، جس سے مشتعل ہو کر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی،

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہان سے بہت سے عربون کو وظیفہ اور روزینہ ملتا تھا، ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار مین آئے، جن مین محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس

بھی تھا، ابرہہ نے ان سے کہا کہ مین نے یہان ایک کلیسا بنوایا ہے، اور چاہتا ہون کہ تم تمام قبائل مین گھوم گھوم کر اعلان کرو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لیے آئین، یہ دونون اس مہم پر روانہ ہو گئے، جب یہ قبیلہ بنو کنانہ مین پہنچے، تو اس کے چند افراد نے انھین قتل کر دیا، اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی[1]،

عموماً ان ضمنی باتون کو جو اصلی سبب کے ضمن مین پیش آئین حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے، لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا مین گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہین، بلکہ اس کا بہانہ بن گئے، اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا، جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے لیے ذو نواس نے یہودیون کے قتل کو بہانہ بنا لیا تھا، حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے ماتحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا،

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیون کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی، اور اس کے لیے انھون نے کئی بار کوشش بھی کی، مگر ناکام رہے، اس کے بعد انھون نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انھون نے عربون کی استمالت شروع کی،

اوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے مین مدد دی، اور ان کے حوصلہ مند پوتون کو رومیون اور حبشیون نے اپنے اپنے ملکون مین تجارت اور آمد و رفت کی سہولتین فراہم کین، ہاشم کے چار لڑکے تھے، ہاشم، عبد شمس، نوفل، المطلب، ان مین سے ہر ایک نے جزیرہ عرب کے قریب کے ملکون سے تعلقات پیدا کئے، اور ان ممالک مین تجارتی سہولتین حاصل کین،

---

[1] پوری تفصیل طبری تفسیر سورۂ فیل مین موجود ہے۔

عبدشمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی، ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لیے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا[1]۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو پایا نہیں جا سکتا تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے، اور سرحدوں پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا، مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوشمند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہو سکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعہ یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی بھی خواہش پیدا ہوئی ہو تو تعجب نہیں، اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انھوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اسکی وجہ سے مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی، اس کو ختم کرنے کے لیے ابرہہ نے دو کلیسے بنوائے، ایک صنعاء میں اور دوسرا نجران میں، اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لیے وفود بھیجے، مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامیابی ہوئی، نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچ سکا، اور نہ وہ مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا، اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی، اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آ گئے ہوں گے، جن کو اس نے اپنے حملہ کا بہانہ بنا لیا، جیسا کہ آجکل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامیابی ہوئی، یہ واقعہ ۵۷۰ء میں ہوا، اسی سال رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار، اور ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت

---

[1] محمد بن حبیب نے ایلاف کے معنی العہود یعنی پروانے لکھے ہیں، کتاب المحبر ص ۱۶۲، اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے یعقوبی ج ۱ ص ۲۰۰، ابن سعد ج ۱ ص ۴۳ و ۴۵ بعض مفسرین نے سورۂ ایلاف کی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے،

کو بھی دخل تھا، جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا، عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے حبشہ لے جاتے تھے، اور وہان سے غلہ لاتے تھے،

بعثت نبوی کے وقت رومیون اور حجازی عربون کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہین، اور ان کا میلان رومیون سے زیادہ ایرانیون کی طرف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ قریشی تاجرون کو رومیون کے مقبوضات مین جو پہلے سہولتین حاصل تھین، وہ غالباً ختم ہو گئی تھین بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے، ہمارا قیاس ہے کہ رومیون کی کشیدگی کا سبب تو حجاز مین ان کی سیاسی ناکامی ہو گی اور ان کی طرف سے عربون کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربون اور رومیون مین اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے، ایرانیون کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ مین نہین آئی، بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی[1]، غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیون کو ناپسند اور ایرانیون کو پسند کرتے تھے، چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیون اور ایرانیون مین ایک زبردست جنگ ہوئی، جس مین رومیون کو بڑی سخت شکست ہوئی تھی، اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے، مگر مسلمانون کو اس سے بہت رنج ہوا، جس کی وجہ سے سورہ روم کی یہ آیتین نازل ہوئین،

الم غلبت الروم فی ادنی الارض	اہل روم مغلوب ہو گئے، ایک قریب کے ملک
وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی	مین اور اس کے بعد عنقریب چند برسون
بضع سنین	مین وہ پھر غالب ہون گے،

[1] عام مفسرین یہی وجہ بتاتے ہین، لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لیجائے تو حبشہ سے بھی انکے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئین، مگر ایسا نہین تھا بلکہ حبشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے، ممکن ہے کہ اسمین نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو بھی دخل ہو،

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں[1] اور ایرانیوں کو شکست ہوئی، آپ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرما تھے، اور عین غزوۂ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی،

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بنا پر جزیرۂ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی، اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی،

نجران نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا، یہ اپنی زرخیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا، سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے اس میں اختلاف ہے، تاہم یہ مسلّم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانے سے آباد تھے، اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی، عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی، اس کی صحیح تعیین مشکل ہے، معجم البلدان میں ہے کہ فیمیون ایک نصرانی عابد تھا، اسی کے ذریعہ یہاں عیسائیت

[1] یورپین مورخین متفقہ لکھتے ہیں روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا، اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں ان کے دوبارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا ہوا معجزہ ہے،

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہل مکہ خوش ہوتے، مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں اس سے رنج ہوتا، ۱۱ھ میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی، مشرکین عرب کو ایرانیوں کے اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دینگے، "قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیشین گوئی کی، حضرت ابوبکرؓ نے اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتح یاب نہ ہوئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوئے تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے، چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے سو اونٹ لیے،

(طبری تفسیر سورۂ روم)

کی ابتدا ہوئی لیکن اس سے سنہ کی تعیین نہیں ہوتی، البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے سنہ کی تو نہیں مگر زمانہ کی تعیین کی جا سکتی ہے، یعنی یہ کہ اس کی ابتدا بعثت نبوی سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی،

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا، نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لیے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا، حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا، یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی، تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا، جسکو عبد المدان نے بنوایا تھا، اور جو 'کعبۂ نجران' کے نام سے مشہور تھا[1]، اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا، جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا،

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی، جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی، اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا، اور ان میں سے ہر ایک کا ایک علیحدہ ذمہ دار تھا، خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے، دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب، اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے، ان عہدہ داروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا[2]، اس وقت سید کے عہدہ پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا جسکا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا، زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی، چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اسکے سامنے مالی دولت کا ایک ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت

---

[1] معجم البلدان ج ۸ ص ۲۶۲ فجر الاسلام ص ۳۰ [2] فجر الاسلام ص ۳۰

اسی عہدہ پر سرفراز کیا گیا،

سنہ ھ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدہ دار بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، سالانہ ٹیکس کی ادائیگی کے وعدہ پر آپ نے ان سے مصالحت کرلی، اور ان سے ایک معاہدہ ہوگیا، مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہوگئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کرلیا، ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے،

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دومۃ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جرباء، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی، جن میں سے اکثر کی جغرافی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلہ میں آچکا ہے، ان میں سے بعض میں ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں، ان مقامات کے علاوہ جزیرۃ العرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے، مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ، وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے، (فجر الاسلام ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پاچکی تھی یا پارہی تھی ان کے نام یہ ہیں:

قبیلۂ غسان۔ یہ یمنی قبیلہ ہے، سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد یہ جزیرۂ عرب کے شمالی مغربی سرحدی مقام پر آباد ہوگیا تھا، مزید تفصیل آگے آتی ہے،

بنو تغلب مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے، اسی کے قریب عرب کا

ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے

یہ قبیلہ جزیرۂ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا، جو عرب سے عراق کو جاتا ہے، یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا، اور ایران کی سرحد کے قریب بھی پڑتا تھا بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو بہرحال اس میں عیسائیت موجود تھی، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی، ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا، اسد الغابہ میں ہے،

ان کثیراً من العرب قد تنصر کتغلب[۱]

بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی، ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا،

ابن قتیبہ اور یعقوبی[۲] وغیرہ نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے، اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں،

ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا، البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پر قائم رہے، حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں، اس لیے انکو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے، دوسرے یہ شجاع اور طاقتور ہیں، ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں جانے نہ دیں، (یعنی اگر آپ ان پر جزیہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے) بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں، اور ارشاد فرمادیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں،[۳] چنانچہ حضرت فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا،

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۲۲ و ج ا ص ۵، [۲] یعقوبی ص ۲۹۸ [۳] ابن قتیبہ ص ۲۴۹

بنو کلب : یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا، اور دومۃ الجندل کے پاس آباد تھا، ظہور اسلام کے وقت دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا، اس میں متعدد ایسے قبائل تھے، جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے، قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا، [1] اسکا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار اصبغ تھے، جو حضرت عبد الرحمن بن عوف کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبد الرحمن بن عوف کے حبالۂ عقد میں دیدیا تھا، ان کے اور انکی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آیندہ صفحات میں درج ہیں،

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے، اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی [2]

قضاعہ، پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی، یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا، کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اور جس مقام پر آباد تھا، وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا، یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا،

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی، عرب کا مشہور اور زمرہ معلقہ کا صدر نشین شاعر امرا القیس اسی قبیلہ سے تھا جس کی بنا پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے ربیعہ جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی، [3]

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۹۴ ۲ [2] ایضاً [3] معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۲

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے مین بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے، حضرت عدی بن حاتم رضی اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب مین آیا ہے، یہ دونون اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے،

قبیلہ عبد القیس جو عمان کے قریب آباد تھا، اس مین بھی نصرانیت موجود تھی، حضرت جارود رضی جن کا تذکرہ اس کتاب مین موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے،

ان کے علاوہ تنوخ، لخم، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کرلی تھی، اور ان مین سے بیشتر بالکل رومیون کے زیر اثر تھے، جنگ موتہ مین یہ سب کے سب رومیون کی حمایت مین مسلمانون کے خلاف صف آرا تھے[1]، ان مین سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا[2]،

اس تفصیل سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ پورے جزیرہ مین نصرانیت کی ترقی و فروغ کیلیے عیسائی حکومتون نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا، اس کے لیے کیا کیا تدبیرین وہ اختیار کررہی تھین اور کتنی رشوتین دے رہی تھین، اور یہ سلسلہ برسون سے نہین صدیون سے جاری تھا، لیکن ان تمام کوششون اور تدبیرون کے باوجود کم سے کم حجاز مین تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہوسکا، جس کو قبضہ مین لانے، اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لیے انھون نے کیا کیا جتن نہ کرڈالے تھے،

اس کے مقابلہ مین اسلام نے پورے جزیرہ مین چند برسون مین عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کردیا، جس نے چشم زدن مین پورے عرب کی کایا پلٹ دی،—

اس کے لیے نہ کوئی سیاسی چال چلی گئی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا، اور نہ جبر و زور سے

---

[1] ابن ہشام ذکر جنگ موتہ [2] آنحضرت صلعم کی سیاسی زندگی ڈاکٹر عبد الحمید صاحب ص ۲۵۰

کام لیا گیا، بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ، اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات، اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا،

حیرہ عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرۂ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ مین بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے، حالانکہ وہ ایرانیون کی باجگذار ریاست تھی، جہان قبیلہ لخم کی حکومت تھی، لخم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس مین نصرانیت تھی، اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی، اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی، اور تخت و تاج کو خیرباد کہہ دیا،[1] اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی، اس کا نام ہند تھا، اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا "دیر ہند" بنوایا تھا، طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانہ تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا،[2] اس کے علاوہ حیرہ مین اور بھی متعدد گرجے تھے، خصوصیت سے "دیر حنظلہ" بہت مشہور تھا، جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا،[3]

حیرہ کا ذکر یہان اس لیے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا، جہان عرب آباد تھے اور وہی حکمران بھی تھے، پورے عرب مین غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا جہان عیسائیت نے بغیر کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا،

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج اوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب مین عیسائیون کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہو گا، لیکن اسکا

---

[1] فجر الاسلام ص ۲۱ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۸۳ [3] تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان ج ۴ ص ۱۷۰ تا ۱۸۵

ایک پہلو اب بھی تشنۂ تفصیل ہے، وہ یہ کہ عربون کے ذہن و دماغ اور علم و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مترتب ہوا؟ یہان مختصراً اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے،

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربون کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ مین جو تغیر ہوا اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے، تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات، ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے ابتک محفوظ رہ گئے ہین، ان سے اس کی کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے،

ثقافتی و تمدنی اثرات | اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے، قصی سے پہلے غالباً یہان کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہین تھی، مگر انھون نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست مین تبدیل کر دیا جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے، اور جن مین سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے، اس مختصر سی ریاست کا سکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا، جہان ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے،

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہین، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہین منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیون کے درمیان قائم ہو چکے تھے، اس نظام حکومت کے بارے مین ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہین،

"اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فینقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتون سے مکے کی شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے"(سیاسی زندگی ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربون کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکون اور قومون سے ان کے تجارتی، اور سفارتی تعلقات وغیرہ کے جو واقعات وحالات تاریخون مین محفوظ ہین وہ بھی نصرانیون کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہین،

علمی اثرات | نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی، اس لیے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً طب، نجوم، اور مابعد الطبیعاتی افکار بھی لیتی گئی، نصرانیت کو ان علوم کی، اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا، مذہبی سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے، اس لیے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی، ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے، تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے، خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں، اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا، اس خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون کا جو سرمایہ عربی میں منتقل ہوا، وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا،

ادب و شعر | عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں، جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی، پہاڑ کے نشیب و فراز، راستوں کی فراخی و تنگی، صحرا کی خشکی و ویرانی کے لیے سیکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے، جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے، لیکن اگر آپ سمندر اور اسکے متعلقات کے الفاظ کے لیے عربی لغت کو کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے، ان میں بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے، اونٹ، تلوار اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لیے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر، اور اس کے لوازم و ضروریات

کے لیے مشکل سے دس میں الفاظ ملین گے، اور جو ہون گے بھی وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہون گے، یہ تو محسوسات کا حال ہے، لیکن معنوی کیفیات کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہین ہے، خوشی و مسرت، لہو ولعب، عیش و تنعم کے حالات و جذبات کے اظہار کے لیے عربی لغت مین الفاظ کی اتنی بہتات نہین ہے جتنی بہتات فقر و فاقہ، حزن وملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے،

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشو و نما جس سرزمین مین ہوا، اس مین اس کے اثرات زیادہ نمایان ہین، لیکن جون جون عربوں کا اختلاط ان قومون سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن مین ان سے ترقی یافتہ تھین، تو ان کے ادب و شعر مین بھی ان کے آثار نمایان ہوتے چلے گئے، اور ظاہر ہے کہ عربون کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قومون سے اختلاط کا موقع ملا، ان مین ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایان ہین،

ایرانیون کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور یہودیون کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، اب چند سطرین نصرانیون کے اثرات پر لکھی جاتی ہین، غسانی گو نسلاً عرب تھے، مگر رومیون سے صدیون کے تعلقات کی وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے، اور ان کے علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے، مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہین ہوا تھا، اس لیے اس دوگونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب مین فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے،

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعرا، اپنے ان عیسائی بھائیون کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سناتے تھے، انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے،

نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، المرقش الاکبر اور علقمۃ الفحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیون کے دربار مین گئے، اور ان سے خراج تحسین وصول کیا، ان ہی کے بارے مین حضرت حسان رض نے جاہلیت کے زمانہ مین کہا تھا،

للہ در عصابۃ نادمتھم یوماً بجلق فی الزمان الاول

خود حضرت حسان رض کو غسانیون نے ایک دعوت مین جو وہان کے حکمران جبلہ بن ایہم کے اہتمام مین ہوئی تھی، مدعو کیا تھا، جب وہ وہان سے واپس آئے تو لوگون سے کہا کہ نہ میری آنکھون نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا، اور نہ میرے کانون نے سنا تھا[۱]، پھر انھون نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان مین تعریف کی، اس سے غسانیون کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال، اور ان کے عیش و تنعم اور علم و عمران کے سیکڑون واقعات عربی ادب و شاعری مین ملین گے،

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالین گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالین ملین گی،

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے باسمک اللّٰھم کے لفظ سے عربون کو روشناس کیا، اسی طرح اما بعد کو سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے استعمال کیا، امیہ صحف قدیم کا عالم تھا، وہ اپنے اشعار مین ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا، جو اس سے پہلے عربی زبان مین رائج نہین تھے، مثلاً "قمر و ساھور" "یسکل و لقبہ"، اسی طرح اللہ کے لیے "سیلط" اور "تعرور" وغیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کیے[۲]،

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن مین عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ

---

[۱] اغانی ج ۱۶ ص ۱۵ و فجر الاسلام ص ۰۰ [۲] فجر الاسلام ص ۲۲

اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں، عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے، یہ زبان زیادہ تر یہودیوں سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں، مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ، ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں،

سریانی الفاظ: فردوس، طٰہٰ، طور، ہیت لک، ولات حین مناص میں ولات، ربانیون، ربیون، رھواً، الیم، صلوات، (کنایس) قنطار۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو اشتقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے آئے ہیں، مثلاً قیوم، اسفار، آذر، قمل، کُبّجد وغیرہ،

رومی الفاظ:۔ قسطاس، رقیم، طفق، اور قسطاس، وغیرہ،

حبشی الفاظ:۔ جبت، طاغوت، حوب، طوبیٰ، سکر، سجل، مشکوٰۃ، منسأۃ، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے، یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلی اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی،

ابھی بعثت نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات، ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ ۱۹۵۱ء ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے، اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے، اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی،

آخر میں اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا

میرے ان قیاسات مین جو مین نے واقعات کی روشنی مین کیے ہین، کوئی تضاد نظر آئے، تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائین گے،

اس مین غلطی اور ترمیم واضافہ کا اس لیے بھی اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے نفس اس موضوع پر کوئی کتاب نہین لکھی گئی، بلکہ یہ نقش اول ہے جس کو ایک نومشق طالب علم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے،

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اسکی جزا آخرت مین عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خادم

مجیب اللہ ندوی، شبلی منزل اعظم گڈھ

۱۶ر صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ر نومبر ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(الف)

(۱) حضرت ابرہہ رض

نام ونسب | ابرہہ نام، شام[1] یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، نام ونسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال مین نہین ملتی،

اسلام | ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہین بتایا جاسکتا کہ کب اور کہان قبول کیا، مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کرکے حبشہ گئے

---

[1] حافظ ابن حجر نے اصابہ مین اس نام کو دو نام شمار کرکے ایک جگہ "ابرہۃ الحبشی" اور دوسری جگہ "ابرہۃ آخر" کی سرخی قائم کی ہے، لیکن غالباً یہ صحیح نہین ہے، اس لیے کہ اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات مین ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے، اصابہ صفحہ ۱۷، [2] اکثر کتب طبقات مین ان کا شامی ہونا درج ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اصابہ مین احد الثمانیۃ الشامیین لکھا ہے، مگر جہان انھون نے انکے دوسرے احباب کے حالات لکھے ہین وہان انکو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے، مثلاً اشرف کے تذکرہ مین لکھتے ہین احد الثمانیۃ الذین قدموا من رہبان الحبشۃ یا ادریس کے تذکرہ مین لکھتے ہین احد الثمانیۃ المہاجرین من الحبشۃ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً انکے اجداد شامی ہون گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستقلاً حبشہ آگئے ہون گے، اور وہین اسلام قبول کیا ہوگا، یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا تھا اس مین بھی ایک ابرہہ ذکر آتا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ وہی ہون، واللہ اعلم بالصواب، شمس العلوم صفحہ ۹۳،

اور ان کو نجاشیؓ کے دربار میں در خور حاصل ہوا، اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا، تو خود نجاشیؓ اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا، غالباً[۱] ان ہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے[۲] رفقاء بھی تھے،

خدمت نبوی میں حاضری اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بیحد اشتیاق تھا، اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آرہے تھے، اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہؓ بھی مدینہ آئے، اور زیارت نبویؐ سے مشرف ہوئے،

غزوات کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور سے ثابت نہیں ہے[۳]،

فضائل آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں،

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ	جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں
هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ	وہ اس پر ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں) ...... یہی لوگ ہیں جنکو ان کے صبر
اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ	
بِمَا صَبَرُوْا (قصص)	کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا،

---

[۱] ان چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے، اگرچہ انکے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے، اصابہ صفحہ[۱]

[۲] ان میں کچھ دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں، حالات لکھتے وقت اشارہ کر دیا جائے گا [۳] اسد الغابہ میں ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اور اسکی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں اسلام لا چکے تھے انھوں نے مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی، چنانچہ وہ اجازت لیکر مدینہ آئے اور غزوۂ احد میں شرکت بھی کی، اس میں حضرت ابرہہؓ بھی تھے، اصابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے، مگر امام ذہبی نے تجرید میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ شہد احداً وھذا کذب ثابت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے مگر یہ صحیح نہیں ہے، بعض روایتوں میں

(باقی ص ۳ پر)

گو آپ کے نام کی تصریح نہین ہے مگر مفسرین لکھتے ہین کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا اسی کے بارے مین یہ آیتین بھی نازل ہوئین، اور آپ بہرحال اسی وفد مین تھے[1]،

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ	مسلمانون سے محبت رکھنے مین قریب تر آپ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى	ان لوگون کو پائین گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہین
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا	یہ اسلیے کہ ان مین بہت عالم اور بہت زاہد
وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ وَاِذَا	درویش ہین اور اسلیے کہ وہ تکبر نہین کرتے،
سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ	جب وہ سنتے ہین اسکو جو رسول کی طرف
تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ	اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھین گے کہ ان کی
مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ	آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے ہین اور
(مائدہ ۶ - ۱۱)	اسکی وجہ یہ ہے کہ انھون نے حق کو پہچان لیا،

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہین ہوسکے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) حضرت جعفرؓ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے، مگر اہل رجال نے یہ تصریح کردی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا مین غرق ہوگیا، (اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲)

[5] بعض روایتون سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت رفاعۃ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والون کے بارے مین نازل ہوئی، اور بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبد اللہ ابن سلام مراد ہین۔ بعض روایتون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے، اور یہی صحیح ہے،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] اصابہ ج ۱ ص ۱۷، و اسد الغابہ ج ۱ ص ۲

(۲) حضرت ادریس رضی اللہ عنہ

نام و نسب ادریس نام، شام[1] یا حبشہ کے رہنے والے تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان مین یہ بھی تھے[2]،

اسلام آپ نے بھی حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا،

زیارت نبوی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے[3]،

فضائل آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ مین ہین جن کے بارے مین قرآن کی متعدد آیتین نازل ہوئین، اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے،

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ — یہی لوگ ہین جن کو دوہرا ثواب ملے گا،

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق اور کوئی تفصیل نہین مل سکی،

(۳) حضرت اسید بن سعید رضی اللہ عنہ

نام و نسب اسید[4] نام، باپ کا نام سعید تھا، قبیلہ ھدل[5] جو بنو قریظہ[6] ہی کی ایک شاخ تھی، اس سے آپکا[7] نسبی تعلق تھا،

---

[1] اصابہ ج ۱ ص ۲۷ اوپر حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ مین شامی یا حبشی ہونے کی تحقیق گذر چکی ہے [2] ایضاً [3] ایضاً

[4] اکثر لوگون نے آپ کا نام اسد بغیر ی کے لکھا ہے مگر استیعاب اور اسد الغابہ مین یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے، ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے، ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹، اصابہ ج ۱ ص ۳۳ [5] ھدلی. ھذہ النسبۃ الی الھدال اخوۃ بنی قریظۃ ودعوتھم (ای نسبھم ج ۱۸ ص ۲۳۶ لسان) من بنی قریظۃ (سمعانی) بنو ہدل بنی قریظہ ہی کی ایک شاخ ہے [6] ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹

اسلام بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذؓ کے سپرد کردیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائیگا حضرت سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کیے جائیں، اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنائے جائیں، جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسیدؓ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے، اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہیبان[1] کی بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو! مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا، حضرت اسیدؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دیکر بچالیا۔[2]

وفات آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد نبویؐ میں اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔[3]

فضل وکمال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود

---

[1] ابن الہیبان ایک یہودی عالم تھا، جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا، مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا، اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز وشاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اسلیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کرکے آئیگا، میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا، دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمھارے قتل کا سبب بنے گا، چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کرینگے، جنگ قریظہ کے روز حضرت اسیدؓ نے اسی وعدہ کیطرف اشارہ کیا تھا۔

[2] اصابہ ج ۱ ص ۴۳ وابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۷ [3] استیعاب ذکر اسید ج ۱ ص ۳۶ [4] ایضاً

آپ ہی ہین توان کو آپکے اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا، گو آپ کو اس راہ مین ملامت ومصیبت بھی اٹھانا پڑا، چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقہ سے آپ کو ستانا شروع کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،[۵]

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ	سب اہل کتاب برابر نہین ہین، ان مین ایک
قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ	جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے، اور رات کے
وَهُمْ يَسْجُدُونَ	اوقات مین وہ اللہ کی آیات کی تلاوت
(آل عمران)	کرتی ہے، اور وہ نمازی بھی ہین،

زندگی کے اور حالات پردۂ خفا مین ہین، ثعلبہ آپکے ایک بھائی تھے، جنکا ذکر آگے آئے گا۔

(۴) حضرت اسد بن عبید رضی اللہ عنہ

نام ونسب | اسد نام، باپ کا نام عبید تھا، آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے،[۲]

اسلام | بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو حضرت اُسَید کیساتھ[۳] انھون نے بھی اپنے اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا، اور پھر اس سے کبھی علحدہ نہین ہوئے،[۴]

وفات | آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہین مل سکی،

عام حالات | زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہین مل سکی، صاحب تجرید[۵] نے لکھا ہے کہ

له ذکر من وجه عجیب	عجیب وغریب طور سے انکا ذکر ملتا ہے،

غالباً اس سے ابن الہیبان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، واللہ اعلم بالصواب

---

[۱] استیعاب ج ۱ ص ۷۰۳ و اصابہ ج ۱ ص ۱۳۰ [۲] استیعاب ج ۱ ص ۳۶ [۳] اصابہ، استیعاب و ابن ہشام رحمہ [۴] [۵] تجرید تذکرہ اسد ۵ جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے،

فضائل | آپ بھی ان صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،[۵]

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ۔ (آل عمران)

سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے،

(۵) حضرت اسد بن کعب القرظی

نام و نسب | اسد نام، باپ کا نام کعب[۲] بن اسد تھا، یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپکا نسبی تعلق تھا، حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل[۳] طور سے نہیں کیا ہے، البتہ ابن جریر نے تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپکے بھائی اسید کا نام لیا ہے،

من اهل الكتٰب امة قائمة يتلون آيات الله الخ

اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتی ہے،

اسلام | زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی، غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام قبول کیا، آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے،

فضل و کمال | آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے

---

[۱] استیعاب ج ۱ ص ۳۹ [۲] غالباً یہ وہی کعب ہے جس نے غزوہ خندق میں قریش وغیرہ سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، اور قریظہ کے روز قتل کیا گیا، یہ وہ کعب نہیں ہیں جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں، جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے، اور بعد میں مسلمان ہو گئے، اصابہ ج ۱ ص ۳۳ [۳] استیعاب میں ثعلبہ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے، ج ۱ ص ۸۱،

بارے میں نازل ہوئی ہیں، قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیا تھا، لیکن یہ سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا، مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو اور تمام رشتے ٹوٹ گئے، یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے،

(۹) حضرت اسید بن کعب القرظیؓ

نام و نسب اسید نام، باپ کا نام کعب بن اسد تھا، آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے، اور حضرت اسدؓ کے، جنکا تذکرہ اوپر ہوا ہے، بڑے یا چھوٹے بھائی تھے[۱]

اسلام ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب قبول کیا، غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے، بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردۂ خفا میں ہیں، آپ بھی ان تمام افضال و انعام الٰہی کے مورد و مستحق ہیں، جنکے مستحق آپکے بھائی حضرت اسدؓ ہیں،

ابن جریر نے اس آیت کے ضمن میں آپؓ کا نام بھی لیا ہے،[۲]

مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ — اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے جن کے آپکے بھائی حضرت اسدؓ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے،

---

[۱] اصابہ ج ۱ ص ۵۰ [۲] تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورہ آل عمران

(۷) حضرت اشرف حبشیؓ

نام ونسب | اشرف[1] نام تھا، حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدۃً عیسائی تھے۔

اسلام | اپنے دوسرے رفقا حضرت ابرہہؓ اور حضرت ادریسؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمتِ نبویؐ میں آمد | حضرت جعفرؓ کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمتِ نبویؐ آیا تھا اسمیں آپ بھی تھے

وفات | وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

فضل وکمال | آپ علماء نصاریٰ میں تھے، حافظ ابن حجر نے آپکے اوصاف کے سلسلے میں لکھاہے کہ

من رہبان الحبشۃ[2] — حبشہ کے راہبوں میں سے تھے۔

اس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ کا شمار علماء نصاریٰ میں تھا، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اسکی تفصیل نہیں ملتی، اور نہ آپسے کوئی روایت ہے۔

(ب)

(۸) حضرت بحیرا الحبشیؓ

نام ونسب | بحیرا[3] نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدۃً نصرانی تھے۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں، ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے، جس سے انکی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتاہے، معلوم ان کا تذکرہ ابن الکلبی ہے۔ [2] اصابہ ج ا ص ۵۱ [3] یہ وہ بحیرا الراہب نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نبوت شام میں ملے تھے، ابن اثیر نے دونوں کو ایک شمار کیا ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابرہہؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھاہے، یہ دوسرے بحیرا ہیں، ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لیے بحیرا الراہب کو انھوں نے قسم رابع میں داخل کیاہے اور انھیں قسم اول میں، اصابہ ج ا ص ۳۶

اسلام غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرفؓ و تمامؓ وغیرہ کیساتھ اسلام قبول کیا ہوگا،

زیارت نبوی کا شرف حضرت جعفرؓ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے، اور زیارت نبویؐ سے مشرف ہوئے،

وفات وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہوسکی،

روایت ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے آپسے یہ ایک روایت نقل کی ہے

عن جعفر بن محمد بن علی بن ابیہ	جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے
عن جدہ قال سمعت بحیرا الراہب	ہیں کہ انھوں نے بحیرا سے سنا وہ بیان کرتے
یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ	تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ اذا اشرب الرجل کاسا	سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک
من خمر[1] الخ	پیالہ پلایا جائے،

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح[2] بھی کی ہے، جرح کے الفاظ یہ ہیں،

ھذا حدیث منکر و لم اسمع	یہ منکر حدیث ہے، انکے علاوہ بحیرا کی کوئی
بحیرا عند غیر ھذا	اور حدیث نہیں سنی،

---

[1] بقیہ الفاظ حدیث جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، تجرید ج ۱ ص ۳۰

[2] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا راہب شامی ہیں، یہ غلط ہے، اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابرہہؓ کے ساتھ آئے تھے اصابہ ج ۱ ص ۱۳۹

(۹) حضرت بشیرؓ بن معاویہ

نام ونسب بشیر نام، ابو علقمہ کنیت، باپ کا نام معاویہ تھا، اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام اہل نجران کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا، تو انھوں نے ایک وفد آپ کی خدمت مین دریافت حال کے لیے بھیجا، یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستہ مین اسقف رئیس وفد نے آنحضرت صلعم کے اس نامۂ مبارک کو پڑھنا شروع کیا، اتفاق سے اسی اثنا مین بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی، اس پر انھون نے آنحضرت صلعم کی شان مین کچھ نا ملائم الفاظ استعمال کیے، اسقف نے انھین ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہین، حضرت بشیرؓ کے دل مین یہ بات گھر کر گئی، انھون نے فرمایا کہ جب وہ نبی صادق ہین تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت مین نہ پہنچ جاؤن گا، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولون گا، چنانچہ شوق وارفتگی مین یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہان سے پھر مدینہ واپس ہوئے،

الیک تعدو قلقا وضینھا   معترضا فی بطنھا جنینھا

مخالفا دین النصاری دینھا

اور خدمت نبوی مین پہونچکر اسلام قبول کیا، اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی مین گذاردی،

شہادت غزوہ کی تصریح تو نہین مل سکی، لیکن کسی غزوہ ہی مین شہادت پائی،[1]

---

[1] اصابہ جلد اول صفحہ ۱۶۰، قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے، لیکن صاحب اصابہ نے ان کو دو شمار کیا ہے، اور یہ دو اس لیے بھی ہین کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہان سے واپسی پر

(لت)

(۱۰) حضرت تمام رض

نام ونسب	تمام نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے،
اسلام	اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے غالباً اپنے ان ہی رفقا کیساتھ انھوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا
شرف زیارت	آپ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے آگئے اور زیارت نبویؐ سے بہرہ مند ہوئے،
وفات	وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی، تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ آئے،

وفد مع بحیرا وابرھہ فی حدیث ساقط تمرۃ[1]

بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعہ میں تھے،

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں جنکے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں،

(۱۱) حضرت تمیم الحبشیؓ

نام ونسب	تمیم نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے،
اسلام	آپ کے چند احباب کا ذکرہ ہوچکا ہے، غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا،
شرف زیارت	حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے، اور شرف زیارت نبوی سے بہرہ ور ہوئے
روایت	آپ سے کوئی روایت نہیں ہے[2]

وفات وعام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی،

---

[1] حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا، اصابہ ج اص ۱۸۳، تجرید ج اص ۶۱ [2] اصابہ اور اسد الغابہ

(۱۴) حضرت تمیم داریؓ

نام و نسب تمیم نام، ابورقیہ کنیت، داری نسبت ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، تمیم بن اوس بن خارجہ ابن سود بن خزیمہ بن ذراع بن عدی بن الدار[1] بن ہانی بن حبیب بن نمارہ بن لخم بن عدی بن عمرو بن سبا، ابن ہشام نے عمرو و سبا کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں، شام کے رہنے تھے، قبیلہ لخم[2] سے نسبی تعلق تھا، اور مذہباً عیسائی تھے،

اسلام ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور مشرف باسلام ہوئے[3]،

غزوات اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات پیش آئے سب میں شریک ہوئے[4]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفاف کے لیے شام میں قریۂ عینون کا ایک حصہ آپ کو دیدیا تھا، اور اسکی تحریری سند بھی لکھ دی تھی، مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کردی، چنانچہ عہد نبویؐ کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانہ تک آپ مدینہ ہی میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب ملّی فتنہ و فساد شروع ہوا تو آپ بادل ناخواستہ مدینہ چھوڑکر اپنے وطن شام چلے گئے[5]،

---

[1] حافظ ابن عبد نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے، اور یہ نسبت اسی کی طرف ہے، مگر یہ توجیہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ انکے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے جیسا کہ سلسلۂ نسب میں مذکور ہے، یہ نسبت اسی کی طرف ہے اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے، فاما النسبة الی الجد فمنهم ابورقیة الداری (سمعانی ص ۲۱۹ ذکر داری) [2] لخم و جذام یمن کے رہنے والے تھے جو شام میں آکر اقامت پذیر ہوگئے تھے (سمعانی ذکر لخم ص ۴۹۰) [3] اصابہ، استیعاب، ابن سعد [4] ابن سعد، اسد الغابہ [5] ابن سعد جزو ۲ قسم ۲ ص ۱۱۳، اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہوگئے تھے، حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور سے شام واپس چلے گئے،

آپ جب شام سے مدینہ آئے، تو اپنے ساتھ کچھ قندیلین اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے، مدینہ پہنچکر قندیلون مین تیل ڈال کر مسجد نبوی مین لٹکا دین، اور جب شام ہوئی تو انھون نے انھین جلا دیا، اس سے پہلے مسجد مین روشنی نہین ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد مین روشنی کس نے کی ہے، صحابۂ کرامؓ نے حضرت تمیمؓ کا نام بتایا، آپ بیحد خوش ہوئے، انکو دعائین دین اور فرمایا کہ اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو مین تمیم سے اسکا نکاح کر دیتا، اتفاق سے اسوقت نوفل بن حارث موجود تھے، انھون نے اپنی بیوہ[1] صاحبزادی ام المغیرہ کو پیش کیا، آپ نے اسی مجلس مین ام المغیرہ سے حضرت تمیمؓ کا نکاح کر دیا،

وفات: مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کرلی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی[2] سنہ ۴۰ھ مین داعی اجل کو لبیک کہا، اور بیت جبرون[3] مین مدفون ہوئے،

اولاد: آپکے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھین، جنکی نسبت[4] سے آپکی کنیت ابو رقیہ ہے،

علم و فضل: اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ مین تھا، قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی جانب منتقل ہو گیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی، قتادہ کا قول ہے کہ

کان من علماء اھل الکتابین[5] — آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء مین تھا،

بعض لوگون[6] نے آپ کا شمار ان صحابہ مین کیا ہے، جنھون نے عہد نبوی مین قرآن جمع کیا تھا،

تراویح کی امامت: فتح الباری مین ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردون کا

---

[1] پہلے ان کا نکاح ابو یا ابو البراء سے ہوا تھا [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۰۴ [3] ارباب طبقات نے آپکا سنہ وفات نہیں لکھا ہے البتہ تہذیب التہذیب مین ہے کہ آپ کی قبر پر کچھ ایسے نشانات پائے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۴۰ھ مین ہوئی، تہذیب ص ۵۱۴ جلد ۱ [4] اصابہ مین جبرین ہے اور تہذیب مین جبرون، مین نے تہذیب ہی کے بیان کو اختیار کیا تہذیب ج ۱ ص ۵۱۴ سمعانی ج ۱ ص ۲۱۹ [5] تہذیب ایضاً [6] ابن سعد جز ۲ قسم ۲ ص ۱۱۳

امام ابی بن کعب کو اور عورتوں کا امام تمیم داری کو مقرر کیا۔[1]

ایک روایت آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک واقعہ جو مسلم میں بتجاوز تجرید روایت کیا ہے،[2] اسکے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کی ہیں، مثلاً عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، انس بن مالک، زرارہ بن اوفی، روح بن زنباع، عبداللہ ابن موہب، عطار بن یزید اللیثی، شہر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم، سلیم بن عامر، شرحبیل بن مسلم، قبیصہ بن ذویب، کثیر بن مرہ، ازہر بن عبداللہ وغیرہ،[3]

چونکہ آپ متاخرالاسلام تھے، اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے، مسند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند سے درج ہیں،[4]

اتباع سنت اور مواظبت عمل آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے، چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائگی کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے انھیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے، ایک مرتبہ تمیم داری سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمرؓ کو درشت لہجہ میں جواب دیا کہ

لا ادعهما صليتهما مع من هو	میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جن کو میں نے
خير منك رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ پڑھی ہیں جو تم کہیں بہتر ہیں

یہ سنکر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی، اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح

[1] فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۱ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلیمان بن حثمہ کا نام ہے، ائمہ حدیث نے اسکی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں کو مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوے [2] محدثین نے یہی روایت روایۃ الکبار عن الصغار کا ایک مستقل اصول روایت بنایا ہے، اور یہی اسکی پہلی مثال ہے [3] مسلم شریف ذکر جساسہ، صفحہ [4] تہذیب التہذیب ۱۱۵ ج ۱ [5] تین نام استیعاب میں درج ہیں، باقی نام مسند سے لیے گئے ہیں ۴ ج ۴ مسند ج ۴ ص ۱۰۲

ہو جائیں، تو مجھے کوئی پروا نہیں، [۱]

حصول ثواب کیلیے کام ایک مرتبہ روح بن زنباع آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کیلیے جو صاف کر رہے ہیں، اور گھر کے تمام لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں، روح نے عرض کیا، کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے، آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

ما من امرء مسلم ینقی لفرسہ	جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کیلیے دانہ
شعیرا ثم یعلفہ علیہ کتب لہ	صاف کرتا ہے اور پھر اسکو کھلاتا ہے تو ہر دانہ
بکل حبۃ حسنۃ [۲]	کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے،

اس لیے میں خود اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہوں تاکہ ثواب سے محروم نہ رہ جاؤں،

عبادت آپ کا شمار ان صحابہ میں تھا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے، مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی، تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی، ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت

ام حسب الذین اجترحوا السیئات	جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں
ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا	کہ ہم انکو ان کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح
الصلحت سواء محیاھم ومماتھم (جاثیہ)	کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے

پر پہنچے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے، یہانتک کہ صبح ہو گئی، [۳]

محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، [۴]

---

[۱] مسند جلد ۱ ص ۱۰۲ [۲] ایضاً ص ۱۰۲ [۳] اصابہ، اسد الغابہ، نسائی میں بھی یہ روایت ہے [۴] تہذیب التہذیب ذکر تمیم،

انھون نے ایک بہت قیمتی جوڑا خریدا تھا جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے اس روز پہنتے تھے۔[۱]

ریا سے پرہیز | باین ہمہ اپنی عبادات کو لوگون پر ظاہر نہین ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات مین کتنی نمازین پڑھتے ہین، آپ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے مین رات کی تنہائی مین پڑھون، وہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ مین رات بھر نماز پڑھون اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھرون۔[۲]

مسجد مین روشنی کی ابتدا | یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد مین روشنی کی سنت حسنہ جاری کی، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ تمیم داری پہلے شخص ہین جنھون نے مسجد مین چراغ جلانے اور روشنی کرنے کی ابتدا کی۔[۳]

ایک کرامت | حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین ایک مرتبہ مقام حرہ مین آگ لگی حضرت عمرؓ حضرت تمیم داریؓ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا، حضرت تمیمؓ وہان گئے۔ اور بے خطر آگ مین گھس گئے اور اس کو بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے۔[۴]

حلیہ و لباس | خوش پوش، خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے۔[۵]

(۱۴)

حضرت ثعلبہ بن سعیہؓ الھدلی

نام و نسب | ثعلبہ نام، باپ کا نام سعیہ، قبیلہ ہدل جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے

---

[۱] صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۱۰ [۲] ایضاً [۳] ابن ماجہ باب المساجد ص ۵۶ [۴] اصابہ ج ۳ ص ۴۹۷

[۵] اسد الغابہ ص ۲۱۵ ج ۱ [۶] اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات مین گذر چکی ہے۔

نسبی تعلق تھا، حضرت اسیدؓ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن الہیبانؒ کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسیدؓ اور قبیلہ کے ایک اور نوجوان اسد بن عبید کیساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا۔[۱][۲]

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے، کہ حیات نبویؐ ہی میں وہ اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔[۳]

فضل و کمال اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل و محامد کے ساتھ ۔۔۔ حضرت ثعلبہ ابن سعیہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ غزوۂ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، تو آپ کی خواہش ہوئی کہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام نہ لانیکا بیحد رنج تھا، ایک روز آپ صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہ ابن سعیہ آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوشخبری سنائی، آنحضرت صلعم نے مسرت آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لیکر آئے ہیں (ابن ہشام جلد ۲)

---

[۱] پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ [۲] اصابہ ذکر اسید ج ۱ ص ۴۳، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اسلام لائے مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے، (ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اسکے خلاف ہے) اسد الغابہ ج ا ص ۱۴۲ و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹ [۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲(۱۴)

حضرت ثعلبہؓ بن سلام (۱۴)

نام و نسب | ثعلبہ نام، باپ کا نام سلام، حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے بھائی تھے، پورا سلسلہ نسب، عبد اللہ بن سلامؓ کے تذکرہ میں آئے گا۔

اسلام | آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جا سکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبد اللہؓ بن سلام کے بعد اسلام لائے۔[1]

وفات | آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپکی زندگی کے عام حالات اور کارنامے کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت ثعلبہؓ بن قیس (۱۵)

نام و نسب | ثعلبہ نام، باپ کا نام قیس، یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام | صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ کا نام عبد اللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات | سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل | یوں تو ان تمام فضائل و انعام کے آپ بھی مستحق ہیں جنکے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں، لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپکا نام بھی مفسرین لیتے ہیں جب کہ ان

[1] اصابہ ج ۲

قریش آنحضرت صلعم اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لیے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا

اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ آيَةً أَنْ يَّعْلَمَهُ	کیا ان کیلیے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اسکو (قرآن)
عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ[1]	علماے بنی اسرائیل جانتے ہیں ۔

علماے سے جو لوگ مراد ہیں مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں ، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ آپ پر قرآن پر حضرت موسیٰؑ اور توریت اور حضرت عزیزؑ پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ	اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اسکے
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ	رسول پر اور اسکی کتاب پر جو اللہ نے اپنے
عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ	رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جن کو
اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء -)	اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے ،

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پردۂ خفا میں ہیں ،

---

[1] سورہ شعرا یقیناً مکی ہے ، مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں ، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن جو لوگ اس کو مکی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علماے بنی اسرائیل کہاں تھے ، اس کا انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علماے یہود سے آنحضرت صلعم کے متعلق دریافت کرایا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ نبی ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ، بہرحال دونوں صورتوں میں آیت کے مخاطب یہی حضرات ہیں ۔

(۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک

نام و نسب ثعلبہ نام، ابو یحییٰ کنیت، حضرت ابو مالکؓ صحابی کے جنکا تذکرہ آگے آئے گا، صاحبزادے تھے، اصلی وطن یمن تھا، آپ کے والد ترک وطن کرکے مدینہ آئے، اور یہیں سکونت اختیار کرلی،

اسلام اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور بہ اختلاف روایت[۱] شرف صحبت سے بھی سرفراز ہوئے،

اصابہ میں مصعب الزبیری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے، امام بخاری نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے کہ

---

[۱] ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں، اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انھوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سن شعور کو پہنچ گئے تھے، اسد الغابہ میں ہے کہ ولد علیٰ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضرت صلعم کے زمانہ میں پیدا ہوئے) جس سے انکی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے، ابن حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے، یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں لہ رؤیۃ (انھیں دیدار نبوی حاصل ہوا) حافظ ابن حجر نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے لیکن تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت صلعم کی زیارت کی ہے، اور ان سے بغیر کسی واسطہ کے روایت بھی کی ہے،

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان انکی صحابیت کیطرف ہے، گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرات کے اقوال بھی بالکل نظرانداز نہیں کیے جاسکتے لیکن ہم نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انھیں صحابہ ہی کی فہرست میں رکھا ہے۔

کان کبیرا ایام بنی قریظہ (ج ا ص ۱۷۴) غزوۂ بنو قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے،

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے بلکہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے لیکن بہرحال ان کے زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین کی جا سکتی۔

وفات سنہ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد ان کی دو اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے،

علم و فضل حضرت ثعلبہؓ کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا، آپ کے والد حضرت ابو مالکؓ عہد عتیق کے عالم تھے، آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم و فضل اور صاحب روایت تھے، خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے بڑے صحابہ سے روایتیں کی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہ بن نعمان، حضرت جابرؓ اور ابن عمر وغیرہ۔[۲] ان سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں، ان کے دونوں صاحبزادے، امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقبہ، صفوان بن سلیم، ابن الہاد۔[۳]

امامت قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہؓ ہی کے سپرد تھی، تہذیب میں ہے۔[۴]

---

[۱] التاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاری کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے جس میں ایام بنی قریظہ ہے، اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے، اور اگر امام کا لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا، جس میں ہے کہ وہ بنو قریظہ کے امام تھے۔ [۲] تہذیب ذکر ثعلبہ [۳] تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ [۴] تہذیب ذکر ثعلبہ [۵] تاریخ الکبیر ایضاً،

وَكَانَ ثعلبة يوم بني قريظة غلامًا

حضرت ثعلبہؓ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے،

اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

(۱۷) حضرت جارودؓ بن عمرو

(رح)

نام ونسب بشر نام، ابو منذر کنیت، جارود لقب، نسب نامہ یہ ہے، جارود بن عمرو ابن معلی عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے، جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے، زمانہ جاہلیت میں انھوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا، "جرد" کے معنی بے برگ و بار کے ہیں، اسلیے جارود ان کا لقب پڑ گیا، اسی واقعہ کو بطور مثال ایک شاعر کہتا ہے۔

فدسناهم بالخيل من كل جانب كما جرد الجارود بكر بن وائل

ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا۔

اسلام جارود مذہباً عیسائی تھے، قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ سنہ ھ میں مدینہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انھوں نے کہا محمد میں ایک مذہب پر تھا، اب تمھارے مذہب کے لیے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں، میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہوگے؟ فرمایا ہاں، میں تمھارا ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمھارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے، اس مختصر سوال وجواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، انکے ساتھ انکے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت صلعم کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے انکی بڑی عزت و توقیر کی، قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت صلعم

۱؎ اسد الغابہ ج اول ص ۲۶۱، اصابہ اول تذکرہ جارودؓ، ۲؎ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶، بعض (باقی ص ۲۲۴ پر)

سے سواری مانگی لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا، تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے مین ہم کو دوسرون کی بہت سی سواریان ملین گی ان کے استعمال مین لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہین انھین آگ سمجھو، غرض جارود خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے[۱]۔

فتنۂ ارتداد فتنۂ ارتداد مین ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے لیکن ان کے استقامت ایمانی مین کوئی تزلزل نہ آیا، چونکہ سردار قبیلہ تھے اس لیے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسرون کو ارتداد سے روکتے تھے[۲]۔

شہادت حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بصرہ مین اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوجکشی مین مجاہدانہ شریک ہوئے، باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ مین شہید ہوئے[۳]۔

اولاد آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے۔

فضل وکمال ابو مسلم الجذمی، ابو القموس، زید بن علی، اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے، جارودؓ شاعر تھے، اشعار ذیل بارگاہ نبوی مین بطور نذر عقیدت پیش کیے تھے[۴]۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۳) روایتون مین ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمھاری قوم نے آنے مین بہت دیر کی، جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب مین آپ کے پاس آیا ہون، مین نے آپ کے صفات انجیل مین دیکھے ہین عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے، پھر آپ نے آنحضرت سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ تو پھیلائیے، پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے، تاریخ ابن عساکر ص ۵۷ ۳ [۳] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۱ [۱] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶ [۳] ایضاً [۴] اصابہ جلد اول ص ۲۱۷

[۵] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۵۴ [۶] اصابہ ج اول ص ۲۲۶

شہدت بان اللہ حق وسامحت ۔۔۔ بنات فوادی بالشہادۃ والنہضی

مین نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل مین میرا ساتھ دیا،

فابلغ رسول اللہ انی رسالۃ ۔۔۔ بانی حنیف حیث کنت من الارض

میری طرف سے رسول اللہ صلعم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ مین زمین کے جس حصہ پر بھی رہون گا موحد ہونگا،

واجعل نفسی دون کل ملمۃ ۔۔۔ لکم جنۃ من عرضکم عرضی

ہر مصیبت کے وقت مین اپنی جان پیش کر دون گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کیلیے میری عزت ڈھال ہے

فان لم تکن داری بیثرب فیکم ۔۔۔ فانی لکم عند الاقامۃ والخفض

اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب مین نہین ہے، مگر اس عارضی اقامت مین بھی مین تمہارا ہی ہون۔

اخلاق | جارود کے صحیفۂ کمال مین آزادی، جسارت اور اظہار حق مین بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا، جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے پھر اس کے اظہار مین وہ کسی کی پروا نہین کرتے،

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیون نے شراب پیتے ہوئے دیکھا، جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہا کہ امیرالمومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر شرعی حد جاری کیجئے، آپ نے شہادت طلب کی، جارود نے ابوہریرہ کو پیش کیا، حضرت ابوہریرہؓ نے شہادت دی کہ مین نے نشہ کی حالت مین قے کرتے ہوئے دیکھا ہے،

حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے، ان کے آنے کے بعد جارود نے پھر کہا، امیرالمومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو اتنا اصرار کیون ہے، تم گواہ ہو مدعی نہین ہو، تمہارا کام شہادت دینا تھا جسے تم پورا کر چکے، اس وقت جارود خاموش ہو گئے، لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا، شہادت ناکافی تھی، اس لیے حضرت عمرؓ کو جارود کا بیجا اصرار ناگوار ہوا، اور فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، شہادت میں تنہا ایک ہے، اس اعتراض پر جارود

نے کہا، عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو، آخر میں جارود کی بیجا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو، ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا، اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا، عمرؓ! حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیئے اور تم الٹے مجھے برے سلوک کی دھمکی دو، آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی،[1]

روایت | آپ چونکہ متاخر الاسلام تھے، اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، مسند میں یہ ایک روایت ہے،

ضالۃ المومن حرق النار[2] — مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا .... اس نے اپنے کو آگ میں جلایا،

آپ سے صحابہ میں حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الجذامی، مطرف ابن عبد اللہ بن شخیر، زید بن علی و ابو الاحوص، بن سیرین وغیرہ نے روایت کی،

حضرت جبرؓ (۱۸)

نام و نسب | جبر نام، عبد اللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے،

اسلام | خدمت نبویؐ میں اکثر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی، ایک روز رسول اللہ صلعم نے ان کے سامنے سورۂ یوسف تلاوت فرمائی، ان پر کلام الٰہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے،[3]

[1] اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے [2] مسند ج ۵ ص ۸۰ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ [3] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۱

تعذیب اور کتمان اسلام | لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے، اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہین کیا تھا، اس لیے ان کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہین تو ان کی جان کی خیر نہین، اس بنا پر انھون نے اسلام کا اظہار نہین کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہان آمد و رفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انھین ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انھون نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرۂ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا، لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہین تھی کہ وہ ایک بار دل مین گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے، چنانچہ ظاہری طور پر تو انھون نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال ویسا ہی تھا، چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا،

وقلبہ مطمئن بالایمان (اسکو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اسکا قلب ایمان پر مطمئن ہے،

فتح مکہ اور آزادی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مین تھے اسی وقت انھون نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے، جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے، اور اپنی تکالیف اور گذشتہ مشقتون کا اظہار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا، آزادی کے بعد انھون نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گذاری،

نکاح | بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی،[۱]

ذریعہ معاش | تلوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا،[۲]

فضائل | بہت سی آیتون کے سبب نزول کے ضمن مین ان کا نام بھی آتا ہے، طبری

---

[۱] اصابہ جلد ا ص ۲۲۲ [۲] ایضاً

نے اس آیت کے ضمن میں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ	اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ
اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ	ان کو تو آدمی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف
الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ	اسکی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے
وَھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ	اور یہ قرآن صاف عربی ہے،

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا ہے،

(۱۹) حضرت جبلؓ

نام و نسب: جبل نام، قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے پورا سلسلہ نسب یہ ہے، جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غنم بن حجاش بن مجالہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشاء الذبیانی ثم الثعلبی[1]،

اسلام: آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں، ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں

کان یھودیا مع بنی قریظة	یہودی تھے بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے
فاسلم[2]	پھر اسلام لائے۔

مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنو قریظہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے اس لیے کہ بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حیی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے[3]،

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۷ [2] اصابہ ج ۱ ص ۲۳۲ [3] ایضاً

الا یا سعد سعد بنی معاذ — لما فعلت قریظۃ والنضیر

ترکتم قدرکم لا شیٔ فیھا — وقدر القوم حامیۃ تفور

ولکن لا خلود مع المنایا — تخطفھن ترمضھا الغیور

جس کا جواب حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسی بحر و قافیہ میں دیا،

تعاھد معشر نصروا علینا — فلیس لھم ببلدتھم نصیر

ھم اوتوا الکتاب فضیعوہ — فھم عمی عن التوراۃ بور

کذبتم بالقران وا ابیتم — بتصدیق الذی قال النذیر

ظاہر بات ہے کہ اگر وہ اسلام لا چکے ہوتے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار نہ کہتے اور نہ حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی،

انھوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے، وہ شعر یہ ہے،

رمیت نطاۃ من النبی بفیلق — شھباذات مناقب وفقار

میں نے نطاۃ (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بہادر مسلح اور بڑے حماسی داسے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا،

وفات | وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے،

(ح)
(۴) حضرت خیر بخیرہؓ

نام و نسب | خیر بخیرہ[1] نام۔ نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ

---

[1] بعض لوگوں نے خیر بخرہ لکھا ہے مگر خیر نخیرہ صحیح ہے،

سے آپ کا تعلق تھا، اور کہاں کے باشندے تھے، آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے،

اسلام | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیر نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی، انھوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی، اس لیے آپ نے مہلت چاہی، مگر حبیر نجرہ نہ مانے، اور کہا کہ آپ جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے، میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا، چنانچہ وہ آنحضرت صلعم سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے، صحابہ کو ان کا یہ طرزِ عمل برا معلوم ہوا، انھوں نے حبیر نجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت صلعم نے انھیں منع کیا اور فرمایا کہ "میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہد پر کسی قسم کا ظلم کروں،" پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حبیر نجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرزِ عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔[1]

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی،

فضائل | آپ کے صحیفۂ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا و رغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔[2]

(۷)

(۲۱) حضرت دُرید الراہب رضی

نام و نسب | درید نام، حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، حضرت نجاشی نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا، اس میں حضرت درید رضی بھی تھے،

فضل و کمال | راہب انکے نام کا جزو ہو گیا تھا جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے،

[1] اصابہ ج ۱ ص ۲۶۶

اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں حضرت دُرَید کا نام بھی لیا گیا ہے،

وَاِذَا سَمِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَى	رسول اللہ کی طرف جو کچھ نازل ہوا
الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ	جب انھوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ انکی
مِنَ الدَّمْعِ	آنکھیں پُرنم ہو گئیں،

(ذ)

(۲۲) حضرت ذو دجن رضؓ

نام و نسب علقمہ نام، ذو دجن[1] کے نام سے مشہور ہیں، حبشہ سے بہتر آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تھا، اس میں آپ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا، تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں،

اسلام قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرف صحبت سے سرفراز ہوئے تھے، اسد الغابہ میں ہے،

وصحبوا كلهم النبي صلى الله عليه وسلم[2] — سب کے سب صحابی ہیں،

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لا چکے تھے، اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور انکے جواب کا ذکر ہے، اسلام لانے کا بھی ذکر ضرور ہوتا، واللہ اعلم

زندگی کے دوسرے حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی،

---

[1] اصابہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۴ [2] ایضاً ۵۸۴

[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱

(۴۴) حضرت ذو مخمر رضی اللہ عنہ

نام ونسب ذو مخمر یا ذو مخبر نام، شاہ حبشہ نجاشی کے بھتیجے تھے، نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود نہ آسکے مگر ان کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا،

خدمت نبوی میں آمد حبشہ کے بہتر آدمیوں کے ساتھ آپ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے،

اسلام اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ وہ مدینہ پہنچکر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کرچکے تھے مگر حضرت نجاشی حضرت ذو مخمر کے آنے سے پہلے اسلام قبول کرچکے تھے، اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذو مخمر نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا، اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے

غزوات غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح تو نہیں ملتی، البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سفر میں تیز چلکر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے، (اور ایسا سامان کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زاد راہ سفر زیادہ چاہیے) چنانچہ اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے، تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں، آپ ٹھہر گئے، جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ چاہو تو تھوڑا سا آرام کرلو، پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کریگا؟ حضرت ذو مخمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا، آپ نے اپنی اونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دیدی اور فرمایا کہ غافل نہ ہونا، میں نے آپ کی اور اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر یہاں سے کچھ دور لے گیا اور

۱؎ ابن اثیر و ذہبی دونوں [illegible] امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذو مخمر (م) کیساتھ لیا کرتے تھے، ابن سعد نے [illegible] ذو مخبر (ب) کیساتھ ذکر کرتے ہیں، [illegible] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲۲

دونوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا، میں برابر دونوں کو دیکھتا رہا، اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے سر کے اوپر پڑ رہی تھیں میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں، میں دونوں کی نکیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے..... آیا، اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا، اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اٹھے، اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور با جماعت نماز فجر کی قضا کی[1] اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوہ ہی کے لیے رہا ہوگا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک تو آپ مدینہ ہی میں رہے، بعد میں شام منتقل ہو گئے، اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی، اس لیے کہ اہل طبقات آپ کو شامیین میں شمار کرتے ہیں[2]،

وفات | وفات کے متعلق اہل طبقات نے تو کوئی تصریح نہیں کی ہے، البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ

نزل الشام ومات بہ

شام گئے اور وہیں وفات پائی

علم وفضل | آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں، حسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں، ابو حی المؤذن جبیر ابن نفیر، عباس بن عبد الرحمان، عمرو بن عبد اللہ الحضرمی وغیرہ،

خدمت نبوی | ذو مخمر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] البدایہ ج ۵ ص ۲۸۹

[2] استیعاب ج ۱ ص ۱۶۹

کے خدام مین ہے، اس شرف مین آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی کی فہرست مین آپ کو بھی شمار کیا ہے،[1]

(۳۴) حضرت ذو مناحب[2] رضؓ

نام ونسب آپ کے نام مین تھوڑا سا اختلاف ہے، بعض لوگون نے مناخب (خ) اور بعض لوگون نے ذو منارح (ح)، اور بعض نے ذو مناحب لکھا ہے،

زیارت نبوی آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی مین حاضر ہوکر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذو دجنؓ کے تذکرہ مین گذر چکے ہین،

(۳۵) حضرت ذو مہدم رضؓ

نام ونسب ذو مہدم نام، آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے،

خدمت نبوی مین آمد جب حبشہ کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا، اور آنحضرت صلعم نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذو مہدمؓ نے ان اشعار مین جواب دیا،

علی عہد ذی القرنین کانت سیوفنا صوارم یخلقن الحدید المذکرا

وہود[3] ابونا سید الناس کلھم وفی زمن الاحقاف غدا مفخرا

فمن کان یعیی عن ابیہ فاننا وجدنا ابانا العدی علی المذاکرا

اور دوسرے حالات پردۂ خفا مین ہین،

---

[1] موالی جنکو اردو مین غلام کہا جاتا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہین، جو جنگ مین گرفتار ہو کر آتے تھے، اور خادم ہر وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو، موالی خاص ہے اور خادم عام [2] بعض لوگون نے ذو مناحب اور ذو منارح کو دو سمجھا ہے، مگر اسد الغابہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ذو منارح اور ذو مناحب هما واحد (دونو ایک ہین) ج ۲ ص ۱۴۵ [3] اسد الغابہ مین ان اشعار کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ وہود ابونا قابل غور ہے، اسلیے کہ اہل حبشہ ہود علیہ السلام کی اولاد سے نہین ہین، پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عرب کے باشندے ہون اور حبشہ مین سکونت اختیار کر لی ہو، واللہ اعلم، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۴۵-

(۲۶) حضرت رافع القرظی رضؓ

نام و نسب رافع[1] نام، بنو قریظہ کی ایک شاخ زنباع تھی، آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زنباع سے تھا

اسلام اس کی تصریح نہین مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے،

خدمت نبویؐ مین درخواست آپ کو اپنے متعلق غالبًا کچھ خطرہ تھا، اس لیے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھین یہ تحریر لکھ دی

انہ لا یجنی علیہ احد الا یدہ (اپنے کیے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی دار و گیر نہین کر سکتا،

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی،

(۲۷) حضرت رفاعہ بن السموال رضؓ

نام و نسب رفاعہ نام باپ کا نام سموال[2] یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی

---

[1] تجرید مین رافع ابن القرظی درج ہے، مگر اور کتب طبقات مین رافع القرظی ہے، اس لیے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے (اصابہ ج ۲ ص ۵۰۱)

[2] سموال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری مین بھی ممتاز تھا، اسکے یہودی یا نصرانی ہونے مین تھوڑا سا اختلاف ہے، الاب شیخو جنھون نے سموأل کا دیوان شائع کیا ہے، اس کے مقدمہ مین لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا، اور اس کے ثبوت مین دو باتین خاص طور سے پیش کی ہین، ایک یہ کہ سموأل غسان کی طرف منسوب ہے، اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے، دوسری یہ کہ سموأل کے بعض اشعار مین مسیح سید رحواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا، لیکن جن اشعار سے [illegible] (زرقانی حاشیہ تحریر ۲۶ پر)

تعلق تھا، سموال کی ایک لڑکی سبرہ حی بن اخطب حضرت صفیہؓ کے باپ سے منسوب تھی، اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہؓ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے،[۵]

اسلام آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے، غزوہ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قتل سے بری کر دیا تھا (البدایہ ج ۴ ص ۱۲۶)

آپ کا نکاح اور طلاق عائشہ یا تمیمہ نام ایک صحابیہ سے شادی کرلی تھی، لیکن کسی وجہ سے انھیں طلاق دیدی، حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبد الرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کرلیا، مگر عبدالرحمان بن زبیرؓ سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، اس لیے انھوں نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵) الاب شیخو نے انکے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے حماسہ کے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں، اب رہی اسکی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا، اور اگر اس کو خاندانی بھی مان لیا جائے، تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا، نیز یہ کہ خود اسکے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ یہودی تھا، اسکے علاوہ سموال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا چنانچہ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سموال ہی کی لڑکی تھیں، اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں، محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعرا میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ وہ تیماء کا یہودی تھا ص ۱۰۹ [۵] مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن تیما، اور نسبی تعلق عادیا سے تھا، چونکہ انکی بہن سبرہ حی بن اخطب سے منسوب تھی، شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے گئے ہوں گے، اسکا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا باپ سموال ابن عادیا کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیا ہی کا خاندان تیماء پر حکمران تھا، (التنبیہ والاشراف ص ۲۴۵ بحوالہ سیاسی زندگی ص ۱۴۶ از ڈاکٹر حمید اللہ) [۶] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۳ [۳] آپکے نام میں بڑا اختلاف ہے، ان دو ناموں کے علاوہ سہیمہ، رمیصا، اتمیمہ، تمیمہ اسماء مذکور ہیں، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے، اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۵

ان سے بھی علیحدگی کرالی، اسکے بعد پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا[۱] اس آیت

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

جب وہ طلاق دیدے تو جبتک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کیلیے حلال نہین ہوتی،

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے، اسد الغابہ مین ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین آئین اور حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، مگر انھون نے بھی روکا، حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوئین، اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہوگی تو تم کو رجم کردونگا،[۲] چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہین،

عہد صدیقی اور عہد فاروقی اس مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے، لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی مین رہے اور کب داعیٔ اجل کو لبیک کہا، تذکرون مین اس کی تصریح نہین ملتی،

(۲۸) حضرت رفاعۃ القرظی[۳]رضـ

نام ونسب رفاعہ نام، باپ کا نام قرظہ، نسباً یہودی تھے،[۴] جب بنو قریظہ کے لوگون کو قتل

---

[۱] چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمنؓ ابتک ان سے متمتع نہین ہوسکے تھے اس لیے آپنے اس ارادہ سے باز رکھا (روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۲) [۲] اسد الغابہ مین یہی واقعہ رفاعہ بن وہب کے تذکرہ مین بھی درج ہی مگر آخر مین انھون نے یہ تصریح کردی ہے کہ یہ دونون واقعہ ایک ہی ہی حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہی [۳] اصابہ ج ۲ ص ۵۱۹ [۴] بعض لوگون نے رفاعہ بن السموال اور ان کو ایک تصور کیا ہی مگر اصابہ مین انکی تردید ہی، اصابہ ج ۲ ص ۵۱۹ [۵] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۵؛

کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کیے جائیں، حضرت رفاعہؓ اس وقت کمسن تھے، اس لیے قتل نہیں کیے گئے،

اسلام قبول اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی، اصابہ میں اس قدر ہے کہ "ان کو دیدار نبوی حاصل ہوا تھا"، آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے کہ

کان ابی من الوفد الذین اسلموا	اہل کتاب کے اس وفد میں جنھوں نے اسلام
من اہل الکتاب[۱]	قبول کیا میرے باپ بھی تھے،

فضل وکمال آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ	ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا
يَتَذَكَّرُونَ، الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ	تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جنکو ہم نے اس سے پہلے کتاب
مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ	دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)

حضرت رفاعہؓ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، ان میں ایک میں بھی تھا،[۲]

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بننا پڑا، مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی، آپ کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گذرتے تو ان کا مذاق اڑاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ	یہی لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کی وجہ سے
بِمَا صَبَرُوا[۳]	دوہرا ثواب ملے گا،

---

[۱] اصابہ ج ۲ ص ۲۹۶ [۲] تجرید ج ۱ ص ۱۹۰ [۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵

(۳۹) حضرت زیدؓ بن سعنہ

نام ونسب | زید نام، باپ کا نام سعنہ، آپ کا شمار علماے یہود مین تھا، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کا نسبی تعلق کس قبیلہ سے تھا،

اسلام | زید بن سعنہؓ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے، فرماتے ہین کہ توریت مین آنحضرتؐ کی جتنی نشانیان بتائی گئی تھین، وہ سب کی سب مین نے آپکے چہرۂ انور پر دیکھ لین، صرف دو چیزون کا مجھے تجربہ کرنا تھا، جب ان کا بھی تجربہ ہوگیا، تو اسلام قبول کرلیا، چنانچہ مین نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے حلم کا اندازہ کرون، فرماتے ہین کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے باہر نکلے آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے، اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپکے پاس آیا، اور اس نے آپسے کہا کہ فلان بستی کے لوگون نے اسلام قبول کرلیا، مین ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کرلو تو رزق کی فراوانی ہوگی، لیکن، اللہ کا کیا دیکھیے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے، بارش بالکل نہین ہوتی ہے یارسول اللہؐ مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ اسلام چھوڑ نہ دین، اگر آپ ان کی مدد کے لیے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہت بہتر ہوتا، زید فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ فرمایا، حضرت علیؓ نے جواب دیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مین سے تو کوئی چیز باقی نہین رہ گئی،

حضرت زید بن سعنہ کہتے ہین کہ مین آپ کے قریب گیا، اور کہا کہ آپ فلان باغ کی کھجورین کچھ مہلت کے ساتھ فروخت کرین گے؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھجورین فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہون، مگر کسی خاص باغ کی شرط نہین لگا سکتا، مین نے کہا اچھی بات ہے،

پھر مین نے اپنی روپیون کی تھیلی کھولی اور اسّی مثقال سونا ایک متعین مدت کے لیے دیدیا،
جب مدت ختم ہونے مین دو تین روز باقی رہ گئے تو مین آپ کے پاس آیا، اور آپ کا گریبان
پکڑکر اپنی طرف کھینچا اور غصہ آلود نگاہون سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اب تک
تم نے قرض ادا نہین کیا، خدا کی قسم بنو عبد المطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے
ہین، مجھے کئی بار لین دین مین تجربہ ہو چکا ہے، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، یہ دیکھکر غصہ سے
بیتاب ہو گئے، اور کہا کہ او دشمنِ خدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کر رہا ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے عمر! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ
تم اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضا کرو اور مجھ سے کہتے کہ مین وقت پر اس کا قرض
ادا کر دون، عمر! جاؤ اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بیس صاع کھجورین اور زیادہ دیدو!
حضرت سعنہؓ کہتے ہین کہ مین نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیون دینے کو کہتے ہین، حضرت
عمرؓ نے کہا کہ مین نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے، یہ اس کا کفارہ ہے، پھر مین نے کہا عمرؓ!
تم نے مجھے پہچانا، انھون نے کہا نہین، مین نے کہا کہ مین زید بن سعنہ ہون حضرت عمرؓ
نے کہا کہ وہ زید جو الحبر (عالم) مشہور ہین! مین نے کہا ہان، پھر انھون نے کہا کہ کیا بات تھی
کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کیا، زید بن سعنہ نے کہا کہ نبوت
کی اور تمام نشانیان تو آنحضرتؐ کے چہرے بشرے سے ظاہر تھین، صرف ان دو باتون
کا تجربہ کرنا تھا،

هل یسبق حلمہ اجھلہ او لا تزیدہ — کیا اسکا حلم اسکے غصہ سے سبقت لیجاتا ہے اور جاہلانہ
شدۃ جھل الا حلماً — حرکتین حلم و تحمل کو اور بڑھا دیتی ہین،

ان باتون کا تجربہ ہو گیا، اسلیے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہون، چنانچہ وہ آنحضرت صلعم کی

خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کیا۔[۱]

وفات آخری مرتبہ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے، پوری شجاعت سے لڑے، مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی۔[۲]

غزوات اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ آپ کے صحیفۂ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے، چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔[۳]

(۳۰)

(۳۰) حضرت سعد بن وہب رضی اللہ عنہ

نام و نسب سعد نام، باپ کا نام وہب، قبیلہ بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا،

اسلام بنو نضیر جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کیے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ان میں ایک حضرت سعد بن وہب بھی تھے، بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدعہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی، چنانچہ جب وہ جلاوطن کیے گئے، تو ان کا مال اور انکی جائداد بھی ضبط کر لی گئی، مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ چونکہ اسلام لا چکے تھے، اس لیے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں۔[۴]

(۳۱) حضرت سعنہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب سعنہ نام، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، سعنہ بن عریض بن عادیا التیماوی،[۶]

---

[۱] مستدرک ج ۳ ص ۶۰۵ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] اصابہ تجرید وغیرہ [۵] البدایہ ص ۷۶/۴،

[۶] تیماء، شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے، اصابہ ج ۳ ص ۴۴،

نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے،

اسلام | زمانۂ قبول اسلام کی کوئی تصریح نہین ملتی، حضرت علیؓ کے معاونین مین تھے، اور ان سے خاص تعلق تھا،

حضرت معاویہؓ سے آپکی گفتگو | ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لیے تشریف لائے تو مسجد مین حضرت سعنہؓ سے ملاقات ہوئی، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ارض یتمار کا کیا حال ہے، انھون نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم باقی ہے، حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو! آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرورت بھی ہوتی تو مین اسے فروخت نہ کرتا، پھر آپ سے اور حضرت امیر معاویہؓ مین بہت سی باتین ہوئین، اثنائے گفتگو مین حضرت علیؓ کا ذکر بھی آگیا، حضرت سعنہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شان مین کچھ سخت الفاظ استعمال کیے، حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو، بڈھا سٹھیا گیا ہے حضرت سعنہؓ نے فوراً کہا کہ اے معاویہ! تمھین یاد نہین ہے کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ آگئے، آپ نے انکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا،

قاتل اللہ من یقاتلک — اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدل کر دوسری گفتگو فرمانے لگے،[۱]

وفات | حضرت امیر معاویہؓ کے آخری عہد خلافت مین آپ نے وفات پائی[۲] لیکن یہ معلوم ہوسکا کہ وفات کہان ہوئی،

---

[۱] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ مخضرمین ہین مگر مین نے ابن ابی طے کے ہاتھ کا لکھا ہوا رجال سبعہ امامیہ کا نسخہ پایا جس مین تحریر تھا کہ یہ صحابی ہین [۲] ایضاً

حلیہ | بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت، خوش وضع و خوش لباس تھے، اصابہ میں ہے، کان احسن الشیوخ سمتا وانظفھم ثوبا[1]

(۳۲) حضرت سعید بن عامر رض

نام ونسب | آپ کا نام سعید، باپ کا نام عامر تھا، صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے، اصابہ میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں حضرت سعید بھی ہیں، طبری نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے،[2]

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ — جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسکے حق کے مطابق اسکی

یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ... تلاوت کرتے ہیں،

(۳۳) حضرت سلام رض

سلام نام، سلسلۂ نسب کی تصریح نہیں مل سکی، مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے،

اسلام | اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی، البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں،

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِا — اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے

للّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ — رسول پر اور جو کتاب ان پر نازل کی گئی، اور

الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ — جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی،

وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء)

[1] اصابہ ج ۲ ص ۱۱۳ [2] ایضاً ص ۵۹، طبری تفسیر آیت ہذا

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے،

(۴۴) حضرت سلمہ بن سلام

نام ونسب | سلمہ نام، باپ کا نام سلام، مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کے بھائی تھے،[1]

اسلام | عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا — اے ایمان لانے والو اللہ اور اسکے

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ — رسول پر ایمان لاؤ،

اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا،

زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے،

(۴۵) حضرت سلمان فارسیؓ

نام ونسب | نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا، اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابوعبداللہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن یہوذان بن فیروز ابن سہرک،

قبل اسلام | سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار تھے

[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے بھتیجے تھے مگر صحیح یہی ہے کہ ان کے بھائی تھے، اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۲

کا تند کار تھے، ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اسقدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیون کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی، چونکہ مذہبی جذبہ سلمان مین ابتدا سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی مین سخت غلو رہا، اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب و روز آگ کی نگرانی مین مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریون مین ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے،

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی، اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا، ایک دن وہ گھر کی مرمت مین مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جا سکا، اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیجا، ان کو راستہ مین ایک گرجا ملا، اس وقت اس مین عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سنکر دیکھنے کے لیے گرجے مین چلے گئے، نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا، اور مزید حالات کی جستجو ہوئی، عیسائیون کا طریقۂ عبادت اس قدر بھایا کہ بیساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے، چنانچہ کھیتون کا خیال چھوڑکے اسی مین محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہان ہے، انھون نے کہا کہ شام مین، پتہ پوچھکر گھر واپس آئے، باپ نے پوچھا کہ ابتک کہان رہے، جواب دیا کچھ لوگ گرجے مین عبادت کر رہے تھے، مجھکو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہین رہا، باپ نے کہا، وہ مذہب تمھارے مذہب کا پاسنگ بھی نہین، جواب دیا بخدا وہ تو ہمارے مذہب سے کہین بہتر ہے، اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہین یہ خیال تبدیلی مذہب کی صورت مین نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیان پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل مین تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیون کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر

آئین تو مجھکو اطلاع دینا چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کردی، انھون نے کہا کہ جب وہ واپس ہون
تو مجھے بتلانا چنانچہ جب کاروان تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر ہوگئی، یہ بیڑیون کی قید سے نکلکر
ان کے ساتھ ہوگئے، شام پہنچکر دریافت کیا کہ یہان سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے، لوگون
نے وہان کے پادری کا پتہ دیا، اس سے جاکر کہا کہ مجھکو تمھارا مذہب بہت پسند ہے، اسلیے
مین چاہتا ہون کہ تمھارے پاس رہکر مذہبی تعلیم حاصل کرون اور مجھکو اس مذہب مین داخل کرو،

تبدیل مذہب

چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ
مین آگئے، مگر یہ پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا، لوگون کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، اور
جب اس کے قبضہ مین آجاتا تو فقرا اور مساکین کو دینے کے بجائے خود لے لیتا، حتی کہ سونے
اور چاندی کے سات مٹکے اسکے پاس جمع ہوگئے، حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آز کو دیکھ دیکھ کر
پیچ وتاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مرگیا، عیسائی شان
وشوکت سے اس کی تجہیز وتکفین کرنے کو جمع ہوگئے، اس وقت انھون نے سارا اعمالنامہ
ان لوگون کے سامنے کھول کر رکھدیا، انھون نے ان کو لیجا کر اسکے اندوختہ کے پاس کھڑا
کردیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے،
عیسائیون نے اس کی سزا مین دفن کرنے کے بجائے اس کی نعش کو صلیب پر لٹکا کر
سنگسار کیا، اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا، یہ بڑا عابد وزاہد اور تارک الدنیا تھا،
شب وروز عبادت الٰہی مین مشغول رہتا، سلمان اس سے بہت مانوس ہوگئے، اور
دلی محبت کرنے لگے، اور آخر تک اس کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے، جب اسکی
موت کا وقت قریب آیا، تو اس سے کہا کہ مین آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت
کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے، اس لیے آیندہ کے لیے مجھکو کیا ہدایت ہوتی ہے؟

اس نے کہا کہ میرے علم مین کوئی ایسا عیسائی نہین ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیون نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے، بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہین، ہان موصل مین فلان شخص ہے جو دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جاکر اس سے ملاقات کرنا،

موصل کا سفر

اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو مین وہ موصل پہنچے، اور تلاش کرکے اس سے ملے، اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلان پادری نے مجھکو ہدایت کی تھی کہ آپکے یہان ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے، اور مین آپ سے ملکر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہون، اس نے ان کو ٹھہرالیا، پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لیے انھون نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا، مگر تھوڑے دنون کے بعد اس کا وقت بھی آگیا، آیندہ کے متعلق حضرت سلمان رضہ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین مین ایک شخص کا پتہ بتایا،

نصیبین کا سفر

چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے ملکر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی، یہ اسقف بھی پہلے دونون اسقفون کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا، سلمان یہان مقیم ہوکر اس سے روحانی فیضان حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا، حضرت سلمان رضہ نے گذشتہ اسقفون کی طرح اس سے بھی آیندہ کے متعلق رشد و ہدایت طلب کیا، اس نے عموریہ مین گوہر مقصود کا پتہ دیا،

عموریہ کا سفر

چنانچہ اس کی موت کے بعد انھون نے عموریہ کا سفر کیا، اور وہان کے اسقف سے ملکر پیام سنایا، اور اس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریان خرید لین، اس سے مادی ذرا

حاصل کرتے تھے، اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمان رضؓ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ استنے مراتب طے کرتا ہوا، آپکے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہین، اسلیئے میرا کوئی سامان کرتے جایئے، اس نے کہا بیٹا مین تمھارے لیے کیا سامان کرون، آج دنیا مین کوئی شخص ایسا باقی نہین ہے کہ جس سے ملنے کا مین تمھین مشورہ دون، البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اُٹھکر دین ابراہیم کو زندہ کریگا، اور کھجورون والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کے علامات یہ ہین کہ وہ ہدیہ قبول کریگا، لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونون شانون کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا،

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر اس پادری کے مرنے کے بعد عرصہ تک عموریہ مین رہے، کچھ دنون بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گذرے، آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھکو عرب پہنچا دو تو مین اپنی گائین اور بکریان تمھاری نذر کر دون گا، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہین ہون ابھی راہبر کو مین

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے،

غلامی لیکن ان عربون نے وادی القریٰ مین پہنچکر انکو دھوکا دیا، اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا، کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمان کو ان کے ہاتھ بیچ دیا،

سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتف غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے،

اسی سے ہو گی تیرے غمکدہ کی آبادی — تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر مقصود دو عالم کے آستان پاک تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے۔ ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے،

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو افگن ہو چکا تھا، لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔

سلمان کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ روز مسعود بھی آگیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آکر کہا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آجائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو، آقا نے اس سوال پر گھونسا

مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمان خاموش ہو گئے،
لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر
ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں، اور کچھ غریب الدیار
اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ
لوگوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہو سکتا ہے، اسکو قبول فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طرح سے سلمان کو نبوت
کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لیکر حاضر
ہوئے، اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول
فرمائیے، آپ نے قبول فرمایا، خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا، اس طرح سے دوسری
نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت صلعم
نے فرمایا سامنے آؤ، وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی،

اسلام حضرت سلمانؓ جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو... اس دولت کو اپنے دل کے
خزانے میں رکھکر آقا کے گھر واپس آئے، اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے

آزادی غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، اسی وجہ سے
غزوۂ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے، اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا
کو معاوضہ دیکر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر
معاملہ طے ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی
کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیے، اس طریقہ سے تین سو درخت انکو

مل گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ان کو بٹھایا، اور زمین وغیرہ ہموار کرکے ایک شرط پوری کردی، اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی، اس کا سامان بھی خدا نے کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا، آپ نے سلمان کو دیدیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس سے گلوخلاصی حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے[۱]

مواخاۃ غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی، اس وقت بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابو درداءؓ سے مواخاۃ کرادی[۲]

غزوات بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہوچکی تھیں، آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق پیش آیا، اس میں انھوں نے اپنے حسن تدبر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کردی، غزوہ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا، کہ اسلام کا کامل استیصال کردے، حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی، اور مقابلہ بھی سخت تھا، ایک طرف کفار کی تعداد ریگستان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، سلمان فارسیؓ چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ انھوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے، بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے، یہ تدبیر

---

[۱] قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱ و ۴۴۳ و ۴۴۴ سے ماخوذ ہیں، [۲] بخاری ج ۲ ص ۸۹۰ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں،

مسلمانون کو بہت پسند آئی، اور اسی پر عمل کیا گیا[1]، خندق کی کھودائی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجزیہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے[2]، ذیقعدہ ۵ھ مین طرفین مین جنگ شروع ہوئی، عربون کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ آئے تو تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دین گے، مگر یہان آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ مین خندق کی فصیل حائل ہے، بیس بائیس دن تک مسلسل محاصرہ کیے پڑے رہے، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا، اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے،

غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیون مین مسلمانون کے دوش بدوش شریک رہے[3]، اور غزوۂ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہین ہوا جس مین شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو[4]،

عہد صدیقی اور عراق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ مین رہے، عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا مین انھون نے عراق کی، اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی، یہان کی اقامت کے بعد ابو درداء کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا، انھون نے سلمان کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد خدا نے مجھکو مال و دولت اور اہل وعیال سے سرفراز کیا، اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا، انھون نے جواب دیا کہ یاد رکھو مال و دولت اور اولاد کی کثرت مین کوئی خیر نہیں ہے، بلکہ خیر اس مین ہے کہ تمھارا حلم زیادہ ہو اور تمھارا علم تم کو نفع پہنچائے،

---

۱ ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۵۴ ۲ بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوۂ خندق ۳ مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۴۴

۴ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتا جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو، اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے، اور تم اپنے کو مردہ سمجھو[۱]

عہد فاروقی ایران کی فوج کشی مین مجاہدانہ شریک ہوئے، اور چونکہ خود ایرانی تھے، اسی لیے فتوحات مین بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ مین بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھکو اسلام سے نوازا، تم لوگ عربون کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہین بچ سکتے، مین تم کو سمجھائے دیتا ہون کہ اگر تم اسلام لاکر ہجرت کر کے ہم مین مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیے جائین گے، اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا، اور اگر اسلام نہین قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیون کے حقوق تم کو ملین گے، اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا، تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے، جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیدیا، اور مسلمانون نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کرلیا،[۲]

فتح جلولا مین بھی شریک تھے، اور وہان مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی جسکو اپنی زندگی کے آخری لمحات مین کام مین لائے،

گورنری حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے، اس کی تفصیلات آیندہ اخلاق وعادات مین آئین گی،

چونکہ حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبوی مین سے تھے، اسی لیے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے، اس وقت آپ ایک گدے پر ٹیک

[۱] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰، [۲] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۰، [۳] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ ص ۶۶

لگائے بیٹھے تھے، سلمان کو دیکھکر گدا ان کی طرف بڑھا دیا،[۱]

علالت | حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے، سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے، تو روئے لگے، سعد نے کہا ابوعبداللہ رونے کا کون سا مقام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے، تم ان سے حوض کوثر پر ملوگے، بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی، کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا، اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زاد راہ سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ میرے گرد اسقدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، سعدؓ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن، اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھکو کچھ نصیحت کیجئے، فرمایا "کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو،[۲] اس بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد، یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دیدے، اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے،[۳]

وقت آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی، اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا، اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے پھڑ پھڑ کر پرواز کر چکا تھا،

فضل و کمال | حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرتا تھا

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹ [۲] ابن سعد جزو ۴ قسم ۲ ص ۶۵ [۳] ایضاً [۴] ایضاً ص ۶۶

اس لیے قدرتاً آپ علوم و معارف نبویؐ سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا "ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا، اور وہ خود ایسا دریا تھے جو پایاب ہی سے ناآشنا رہا، وہ ہمارے اہل بیت میں تھے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے[۱]، علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے، اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا آپنے انکو یہ شرف بخشا کہ اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا،

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، .... ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا، ان ..... میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا[۲]، ایک موقع پر خود زبان نبوت سے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لبریز ہیں[۳]، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلاے صحابہ میں تھے[۴]، آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں[۵]،

ابو سعید خدریؓ، ابو الطفیل، ابن عباسؓ، اوس بن مالک اور ابن عجرہ وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں،

گو حضرت سلمانؓ علم اول اور آخر کے امین تھے، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے، اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئی، حضرت حذیفہؓ

---

[۱] استیعاب ج ۲ ص ۲۶۲ [۲] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۱۹ [۳] ایضاً [۴] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱ [۵] تہذیب الکمال ص ۱۴۶

مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں، لوگ اس کی تصدیق کے لیے حضرت سلمانؓ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں، لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی، وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمان سے کہا جو کچھ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے، فرمایا بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے، اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کرکے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دوگے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا، پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ، نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا[1]۔

چونکہ وہ اسلام کے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ کا اور انجیل کا، مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے[2]۔

حضرت سلمانؓ صحابۂ کرام کے اس مخصوص زمرہ میں تھے جسکو	عام حالات میں تقرب بارگاہ نبوی

بارگاہ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا، مخصوص صحابۂ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے، جو

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۴۳۹ [2] ایضاً

جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمانؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں، غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمانؓ ہمارے زمرہ میں ہیں، انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں ہیں[1]، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے،
انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، علی عمار اور سلمان کی[2]، آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو سفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گذرے، ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن (ابو سفیان) کے گردن پر نہیں پڑی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکرؓ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی[3]۔

اخلاق و عادات حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے، اسی طرح

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸ [2] جامع ترمذی مناقب سلمان [3] مسلم ج ۲ ص ۳۶۲ مصر

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے، ان کے اصلی فضل و کمال کا میدان یہیں ہے،

زہد و تقویٰ

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہوجاتی ہے، اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنادوں، فرمایا مجھکو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا، یہ برابر انکار کرتے رہے، آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا وہ کیسا، عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے ملجائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی[1]

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، مزخرفاتِ دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا، بستر میں معمولی سا بچھونا تھا، اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، اور میرا یہ حال ہے[2] یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی جب امارت کے عہدہ پر ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا، حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے، اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا اوڑھتے تھے[3]، ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے کوئی سوء ظن نہ پیدا ہو۔

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۰ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۸ و ۴۳۹ [3] ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۶۲

رہبانیت سے اجتناب اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے، مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اسکی تلقین کرتے تھے، ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداؓ بڑے عابد و زاہد تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے حضرت سلمانؓ ان سے ملنے انکے گھر جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ابو درداؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا، پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے، انھوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں، تمھارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابو درداؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں، فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے، میں نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے، اور ان کو دیکھتے ہی رہے، جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمھارے رب، تمھاری آنکھ اور تمھاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے، اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا، آپ نے ابو درداؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ سلمان تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں[1]

سادگی حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا، لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگھیا اور ذرا سا

[1] استیعاب ج ۲ ص ۵۶۲

اونچا پائجامہ ہوتا تھا، چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے اس لیے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ "کرگ آمد کرگ آمد" کہتے. ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا، لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں، لڑکے اس ہیئت کذائی میں دیکھکر آپکے پیچھے لگ گئے، لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر انکو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو، ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان و شوکت تھا تو کیا ذکر یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چنانچہ فوجی نوجوان دیکھکر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں، حضرت ابو درداؓ کی والدہ فرماتی ہیں، کہ حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے، اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے، مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اسقدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے، آپنے فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لیے ہے،

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا، دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے، کہا کام سے بھیجا ہے، مجھکو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں،

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا، حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، انسے کہا کہ اسکو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں، یہ حال دیکھکر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ سنکر بہت نادم ہوا، اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے، آپ نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے، اب میں

اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا،

فیاضی | فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا، جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے، اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے، اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے تھے، ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے[1]

صدقات سے اجتناب | صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے، فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے، کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا تم مجھکو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو[2] (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)

حلیہ | بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے،

زرین اقوال | حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جملے اور زرین اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں، ان میں سے چند جواہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا، ایک شاگرد بھی ساتھ تھا، حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلا لاؤ، اس نے حکم کی تعمیل کی، آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کہا جی نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے، اس میں جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں چاہیے کہ علم نافع طلب کرو،

---

[1] ابن سعد جزو ۴ قسم ۱ ص ۶۴ [2] ایضاً ص ۶۴

آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی، تو بقدر علم دین اسے حاصل کر لو، اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو،

فرمایا، مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے، مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کیلیے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے، اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے، اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس کو بری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے تا آنکہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے، اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اسکو یہ نعمتیں کیسے ملتیں،

ابو درداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (غالباً بیت المقدس) میں چلے آیئے، حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی، بلکہ اس کو خود اس کا عمل مقدس اور متبرک بناتا ہے، پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنا دیے گئے ہو، تو اگر تمھارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے

یحیی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو درداءؓ کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے، اور ان سے فرماتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں، واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو، شاید فیصلہ میں غلطی ہو گئی ہو،

فرماتے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے، ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے

اور موت اسے طلب کر رہی ہے، دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہہ مار کر ہنستا ہے، اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض فرمایا تین چیزیں مجھے اسقدر غمگین کرتی ہیں کہ میں رو دیتا ہوں، ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کی جدائی، دوسری عذاب قبر، تیسری قیامت کا خطرہ،

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا بولو ا نہیں، اس نے کہا کہ لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو، اس نے کہا کچھ اور ارشاد ہو، فرمایا کہ غصہ نہ کرو، اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں، فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو، اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمایئے فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں، اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے، آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی سے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو[1]۔

(۳۶) حضرت سمعانؓ بن خالد

صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا[2]،

صاحب تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں[3]،

---

[1] یہ تمام اقوال صفوۃ الصفوۃ سے لیے گئے ہیں۔

[2] اصابہ جلد ۲ ص ۸۰ [3] تجرید ج ۱ ذکر سمعان بن خالدؓ

(۳۷) حضرت سیمونہ بلقاویؓ

نام ونسب سیمونہ یا سیما نام، نسباً اور عقیدۃً نصرانی بلقا کے رہنے والے تھے، اور انکا شمار عباد نصاریٰ میں تھا،

اسلام یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے، ارباب رجال صرف اتنا لکھتے ہیں،

کان نصرانیا شماسا فاسلم[2] ایک نصرانی عابد شخص تھے، پھر اسلام لائے،

مدینہ سے تجارتی تعلقات حضرت سیمونہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی بلقا سے گیہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا، اور اس کی قیمت میں مدینہ کی کھجوریں بلقا لیجانیکا خیال ہوا، مدینہ کے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا، یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیہوں سستا دیتے ہیں، اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں، اسپر بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے، تم لوگ انھیں کھجوریں لیجانے کے لیے دو[3]

وفات آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی، ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی، سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی،

فضائل شرف صحبت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا شرف بھی حاصل ہے، فرماتے ہیں،

رأیت النبی صلعم وسمعت من فیہ اذنی[4] — میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا اور ان کے دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا،

منصور بن صبیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں، حضرت سیمونہؓ سے روایت کی ہے،[5]

۱ تجرید ج ۱ ص ۲۴۰ ۲ ایضاً ۳ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۸۳ ۴ ایضاً ۵ ایضاً ۶ اصابہ ج ۲ ص ۱۰۴

(الف)

(۴۸) حضرت شمعونؓ

نام ونسب شمعون نام، ابوریحانہ کنیت، پوراسلسلۂ نسب یہ ہے شمعون بن یزید بن خنافہ القرظی،[۱] ام المومنین حضرت ریحانہؓ کے والد تھے،[۲]

اسلام یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ کب اسلام لائے مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے،

له صحبة وسماع ورواية — صحابی ہیں، سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے،

غزوات نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے،

كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في الغزوة[۳] — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے،

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کس غزوہ میں شریک ہوئے تھے،

عہد فاروقی عہد صدیقی میں تو آپ کا ذکر کہیں نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا، تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے،[۴]

شام کا قیام آپ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے گئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر پھر واپس شام چلے آئے،[۵]

وفات سنہ وفات معلوم نہیں ہے،

---

[۱] استیعاب ج ۲ ص ۲۰۳ [۲] ایضاً، ابن سعد نے حضرت ریحانہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسباً بنو قریظہ سے تھیں لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی، اس بنا پر حضرت شمعونؓ کو بھی نضری سمجھنا چاہیے، لیکن یہ بھی یقین ہے کہ تقریباً تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کی جنگ میں گرفتار ہوئی تھیں، اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں، اور بنو نضیر کی جلاوطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی، ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت شمعونؓ نضیری ہوں لیکن حضرت ریحانہؓ کی شادی بنو قریظہ میں کر دی ہو، اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں، [۳] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۶ [۴] ایضاً [۵] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴

فضل وکمال آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا، حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں،

کان من فضلاء الاخیار، الزاھدین فی الدنیا الراجین مع عند اللہ (استیعاب ج۲ ص۹۱)

اخیار علماء میں تھے، دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے،

اسد الغابہ میں ہے:

کان من صالحی الصحابۃ وعبادھم (ج۵ ص۲)

صالح، نیک اور عبادت گذار صحابہ میں انکا شمار تھا،

اصابہ میں ہے:

کان یکثر السجود

نمازیں بہت پڑھتے تھے،

قرآن سے شغف قرآن سے بیحد شغف تھا، بسا اوقات آپ قرآن پڑھنے میں ایسا منہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا،

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے، کھانا کھایا اور وضو کرکے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے، کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے، صبح کی نماز پڑھکر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا کہ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے کچھ آرام تو کر لینا چاہیے تھا، آپ نے فرمایا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے،

ان ذکرتک لکان علی حق

اگر تم یاد آگئی ہوتیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا، مگر یاد الٰہی میں دوسری یاد آتی ہی نہیں،

بیوی نے پوچھا، آخر کس چیز نے آپ کو اسقدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا

التفکر فیما وصف اللہ فی جنتہ ولذاتھا حتی سمعت المؤذن (اصابہ ج۵ ص۱۵۶)

اللہ تعالیٰ نے جو جنت اور اسکی لذات کی تعریف کی ہے اسی میں غور وفکر کرتا رہا، یہانتک کہ صبح کی اذان ہوگئی،

آپ قرآن یاد کرنے کی بیحد کوشش کرتے تھے، مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے، اور قرآن کے باربار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ

لا تحمل ما لا تطیق علیه	اپنی یادداشت بھر یاد کرو، نماز کی زیادہ پابندی
بالسجود	رکھو (یعنی جب نماز زیادہ پڑھوگے تو قرآن بھی
(کتاب الاسماء والکنی للدولابی ج ۱ ص ۳)	بار بار پڑھوگے، اس طرح وہ یاد رہےگا)

(۳۹) حضرت صالح القرظیؓ (ص)

صالح نام تھا، قبیلہ قریظہ[1] سے آپ کا نسبی تعلق تھا، جب مقوقس (شاہ مصر) نے ماریہ قبطیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصابہ نے اس کی تردید کی ہے،[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان میں ٹھہرایا،[3]

زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں معلوم ہوسکے،

(۴۰) حضرت عامر الشامیؓ (ع)

عامر نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے،

اسلام | اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے، مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے خدمت نبویؐ

---

[1] اصابہ میں ہے والصواب قبطی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں، تجرید ج ۱ ص ۲۸۱، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۰ [2] اصابہ ج ۲ ص ۱۷۴ [3] ایضاً۔

مین مدینہ آئے، ان ہی آنے والون مین حضرت عاقبؓ بھی تھے[1] ان آنے والون کے بارے مین یہ آیت نازل ہوئی[2]

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ، وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ	(قصص)	جن لوگون کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہین جب انکے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہین تو وہ کہتے ہین کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہین۔

(۴۱) حضرت عبدالحارثؓ ابن السنی

نام ونسب عبدالحارث یا عبدالرحمٰن نام، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عبدالحارث بن السنی ابن الدیان الحارثی[3] آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگون مین تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہان فتنۂ ارتداد اٹھا تو آپنے روک تھام کی پوری کوشش کی، آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلیغ خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہین،

یا اہل نجران من امرکم بالثبات علی ھذا الدین فقد نصحکم ومن امرکم ان تزیغوا فقد غشکم الی ان قال وانما کان نبی اللہ	اے اہل نجران جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لیے کہا وہ تمہارا خیرخواہ ہے اور جس نے کجروی کی تلقین کی وہ تمہارا بدخواہ اور تمکو دھوکا دے رہا ہے، یہ اللہ کے نبی محمد صلعم

[1] پوری تفصیل حضرت اشرفؓ کے حالات مین گذر چکی ہے۔ [2] طبری [3] تجرید مین آپ کا نام عبدالرحمان درج ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالحارث سے آپکا نام تبدیل کرکے عبدالرحمٰن رکھدیا ہو، اصابہ ج ۴ ص ۸۸۔

عاریۃ بین اظھرکم فاتی علیہ	تھوڑے زمانہ کے لیے تمھارے پاس آئے
اجلہ وبقی الکتاب الذی جاء بہ	تھے، اب انکی وفات ہوچکی ہے، مگر جو کتاب
فامرہ امر ونھیہ نھی الی یوم	وہ لیکر آئے تھے وہ اب بھی باقی ہے اس کا حکم
القیامۃ	حکم ہے، انکی نہی نہی ہے اسکے اوامر اور منہیات

اور پھر یہ اشعار پڑھے،

ونحن بحمد اللہ ھامۃ مذحج	بنو الحریث الخیر الذین ھم مد
ونحن علی دین النبی مزی الذی	نھانا حراما منہ والامر ما امر

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آگئے[1]،
وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہین معلوم ہوسکی،

(۴۲) حضرت عبداللہ بن سلام رض

نام ونسب جاہلی نام حصین تھا، اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا، ابو یوسف کنیت ہے، یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے، مشہور ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے، مختصراً آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن سلام بن حارث، قبیلہ خزرج مین ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے اس مین ایک شاخ کا نام قواقل ہے، حضرت عبداللہ اسی قواقل کے حلیف تھے،

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ مین ناقہ سے اترے، تو عبداللہ بن سلام کو خبر ہوئی، وہ اپنے بچون کے لیے باغ مین

[1] اصابہ ج ۲ ص ۸ ۳

پھل چننے گئے تھے، جلدی سے خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، اور کہا، آپ سے تین باتین
دریافت کرتا ہون، جو انبیا، کے سوا کسی کو معلوم نہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا
جواب دیا، تو فوراً بول اٹھے اشهد ان لا اله الا الله واشهد انك رسول الله
اس کے بعد کہا کہ یہود افترا پرداز قوم ہے، اور مین عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہون
آپ ان کو بلاکر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلاکر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبد اللہ بن سلام کون شخص ہین؟
بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہین، فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہین؟ جواب
ملا کبھی نہین، عبد اللہ بن سلام مکان کے ایک گوشہ مین چھپے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے، اور یہودیون سے کہا ذرا خدا سے
ڈرو، تمھین خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہین، اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے، اور باینہمہ ایمان
لانے پر تم لوگ آمادہ نہین ہوتے، یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی، اس نے ان کو
آتش زیر پا کر دیا، اور غصہ مین کہا کہ تم چھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور
تمھارا باپ بھی بدترین شخص تھا، حضرت عبد اللہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے
دیکھا مجھکو اسی کا خوف تھا۔[۵]

غزوات بدر واحد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے، صاحب طبقات کے نزدیک خندق
ان کا پہلا غزوہ تھا، اس لیے انھون نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق مین انکا
تذکرہ لکھا ہے، خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے وہ ان مین بھی شامل ہوئے، امام سرخسی
نے لکھا ہے کہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت جنگی ضرورتون کی بنا پر جب ان کے نخلستان

---

۵ صحیح بخاری ص ۵۵۶ و ۵۶۱ ج ۱

صاف کیے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے، ان میں عبداللہ بن سلامؓ بھی تھے،

عہد فاروقی عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمرؓ صلح بیت المقدس کیلیے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی ہمراہ تھے،

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں جب باغیوں نے آستانۂ خلافت کا محاصرہ کرکے آپ کے قتل کی تیاریاں کین تو عبداللہ بن سلامؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور کہا کہ آپ کی مدد کیلیے تیار ہون، فرمایا، تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہین، باہر جا کر مجمع کو منتشر کرد، حضرت عبداللہ بن سلامؓ باہر تشریف لائے، اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے؛

"لوگو! میرا نام جاہلیت مین فلان تھا (حصین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا، میرے متعلق قرآن مجید مین کئی آیتین نازل ہوئین، چنانچہ شھد شاھد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب میری ہی شان مین اتری ہین، خدا کی تلوار ابتک نیام مین ہے، اور فرشتون نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت ہے، اپنا نشیمن بنا لیا ہے، پس ڈرو! خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمانؓ) قتل نہ کرو، خدا کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمربستہ ہوئے تو تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دین گے، اور خدا کی وہ تلوار نکل پڑیگی جو اس وقت تک نیام مین بند ہے، اور جو پھر قیامت تک نیام مین واپس نہ جائے گی، لیکن سنگدلون پر اس پرزور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی، بولے کہ اس یہودی اور عثمان دونون کو قتل کر ڈالو[2]،

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۲۴ [2] صحیح ترمذی ص ۶۲۸

عہد مرتضوی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انھوں نے آپ کو کہلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر نہ چھوڑیئے، ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کرسکیں گے، لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا، وہ بیچارے نہایت نیک آدمی ہیں[1]

وفات: سنہ ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، یہ امیر معاویہؓ کا زمانہ خلافت تھا،

اولاد دو بیٹے یادگار چھوڑے، یوسف اور محمد، دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، یوسف بڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا،[2]

علم وفضل توراۃ اور انجیل کے عالم تھے، اسلام لانے کے بعد قرآن وحدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا جن کی طرف سے مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہیگا، اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس پائیگا، پھر آپ نے ابودرداؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق یہ فرمایا،

کان یھودیا فاسلم فانی سمعت	یہ یہودی تھے مسلمان ہوئے، میں نے رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ
یقول انہ عاشر عشرۃ الجنۃ	دسویں جنتی ہیں،

حضرت ابوہریرہؓ باوجودیکہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۸ [2] مسند ص ۳۵ [3] مسند ج ۵ ص ۵۲ [4] اصابہ ج ۴ ص ۱۱

کرتے تھے جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے جسمین نمازی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے،
حضرت ابوہریرہؓ نے عبداللہ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے، آپ نے
فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ نہ کرخاص تو حالت نماز کا ہے،
حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں ہے کہ جسمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار مین رہتا ہے وہ گویا نماز مین ہوتا ہے، تو
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک فرماتے ہین،

روایت حدیث آپ سے صرف ۲۵ روایتین منقول ہین، راویون مین بعض صحابۂ کرام
بھی ہین جن کے نام نامی یہ ہین، آپ کے دونون صاحبزادے یوسف و محمد، ازارہ بن
اوفی، ابوہریرہ، عبداللہ بن معقل، عبدالرحمان بن حنظلہ، تابعین مین حسب ذیل
لوگون نے آپ سے روایتین کی ہین، خرشیہ بن الحر، قیس بن عبادہ، ابوسلمہ بن
عبدالرحمان، حمزہ بن یوسف آپ کے پوتے، عمر بن محمد (پوتے) عوف بن مالک
ابوبردہ بن موسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطا بن یسار، عبیداللہ بن جحش
غفاری،[1]

اتباع سنت عطا بن یسار فرماتے ہین، آپ ان صحابہ مین تھے جو رفتار، گفتار، نشست
و برخاست ہر چیز مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جمع کرکے انکے سامنے سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ (الآیۃ) تلاوت فرمائی
تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگون کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے
تھے، اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا،[2]

[1] مسند ج ۵ ص ۴۵۱ [2] ایضاً

تواضع وخاکساری

زندگی ہی جنت کی بشارت مل چکی تھی، علم وفضل اور تقویٰ ودیانت میں بھی آپ اپنی نظیر تھے، لیکن اس فضل وکمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع وخاکساری تھی، حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے، آپ کے چہرہ سے خشوع وخضوع کا اظہار ہو رہا تھا، آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا، "یہ شخص جنتی ہے"، جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، گھر پہونچکر کچھ باتیں کیں، جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہیے، پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا،

یہ بات آپ نے انکسار کی وجہ سے فرمائی، ورنہ اوپر گذر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ

انہ عاشر عشرۃ الجنۃ

اسی طرح کی ایک روایت سعد بن عبادہ سے بخاری میں ہے،

ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	موجودہ لوگوں میں میں نے عبداللہ
یقول لاحد یمشی علی الارض	ابن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ
انہ من اہل الجنۃ الا لعبد اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے نہیں سنا کہ
ابن سلام[1]	اہل جنت میں سے ہیں،

[1] اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں، جن کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دیدی گئی تھی، اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبداللہ بن سلام ہی اس فضل کے مستحق ہیں،

(باقی حاشیہ ص ۷۵ پر)

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے، فرمایا یہ ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں،[1]

اس خاکساری و تواضع کے ساتھ حق و صداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا، فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی، اس وقت اگر مجھکو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھکو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھدینا،[2]

(۴۳) حضرت عبد الرحمانؓ بن زبیر

نام و نسب عبد الرحمان نام، باختلاف روایت[3] پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عبد الرحمن بن زبیر ابن باطیا، القرظی، یہود کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے،

اسلام یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کب اسلام لائے،

کتب احادیث میں آپ کا یہ واقعہ درج ہے،

حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی تمیمہ کو طلاق دیدی تھی، جن سے عبد الرحمنؓ بن زبیر نے شادی کر لی، مگر حضرت عبد الرحمانؓ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ان سے نباہ

(بقیہ حاشیہ ص۷۴) حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیے ہیں، ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے وہ بشارت حضرت کی وفات کے بعد یہ کہا تھا سعد بن عبادہ خود انہی مبشرین جنت میں ہیں لیکن انھوں نے انکساری سے اپنا نام نہیں لیا،

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳ [2] استیعاب ج ۱ ص ۲۹۶ [3] ابن مندہ نے آپ کا سلسلۂ نسب یہ لکھا ہے، عبد الرحمن بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسی تھے، مگر حافظ ابن حجر نے اسکی تردید کی ہے، اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیا تو بنو قریظہ کے مشہور معروف لوگوں میں ہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ قبیلۂ اوس کے وہ متبنیٰ ہوں اور اس حیثیت سے اوسی کی شہرت ہو گئی ہو، (اصابہ ج ۲ ص ۳۹۸، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۸۶)

نہ ہو سکا، تمیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور علیحدگی کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں، اسکے بعد پھر فرمایا کہ حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی اس وقت تک تم کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے، اس کے کچھ روز بعد پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، مگر آپ نے پھر بھی علیحدگی کی اجازت نہیں دی، پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے،

وفات آپ کی وفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ تمیمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن زبیر سے علیحدگی ہو جائے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبد الرحمانؓ عہد فاروقی تک زندہ رہے، واللہ اعلم،

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے،

فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى — پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرلے

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ — دوسرا نکاح جائز نہیں ہے،

(۴۴) حضرت عداسؓ

عداس نام تھا، شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، مذہباً عیسائی تھے،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے، اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس کو انگور کے کچھ خوشے

۱؎ اصابہ ج ۲ جز ۴ ص ۴۶

دیکر آپ کے پاس بھیجا، جب عداس رضؓ آپ کے پاس انگور لائے تو آپ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا،

عداس رضؓ نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہون، آپ نے فرمایا کہ کہان کے رہنے والے ہو، عداس رضؓ نے بتایا کہ نینوا کا رہنے والا ہون، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہان کے حضرت یونس ؑ رہنے والے تھے، عداس رضؓ نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس کون ہین، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی نبی تھے اور مین بھی نبی ہون، [۱]

اسلام

عداس رضؓ نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھکر آپ کے دست مبارک اور پیرون کا بوسہ لیا، اور کہہ اٹھے

اشهد انك عبد الله ورسوله [۲] مین گواہی دیتا ہون کہ بیشک آپ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہین،

شیبہ و عتبہ دور سے حضرت عداس رضؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے، جب وہ واپس ہوئے تو انھون نے کہا کہ تم نے دست بوسی کیون کی، حضرت عداس رضؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہین، یہ سنکر ان دونون نے کہا کہ کہین وہ تمھین تمھارے دین سے برگشتہ نہ کر دین، تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے، (البدایہ ج ۳)

بدر کے روز جب دونون طرف سے جنگ کی تیاریان ہو رہی تھین تو حضرت عداس رضؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے، جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان دونون کا پیر تھام لیا، اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لیے جا رہے ہو، تم لوگون کا بچکر واپس آنا بہت مشکل ہے، حضرت عداس رضؓ کو ان دونون سے ایک گونہ تعلق تھا، اس لیے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے، [۳]

---

[۱] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۰۴، ایک روایت مین ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمایا، زرقانی ص ۳۰۵ [۲] اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶ [۳] زرقانی نے یہ تمام واقعات تفصیل سے لکھے ہین، اور اصابہ مین بھی یہ واقعات مذکور ہین، زرقانی ج ۱ ص ۲۸۸ و اصابہ ج ۲ ص ۴۶۷

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا،

(۱۵) حضرت عدی بن حاتم

نام ونسب: عدی نام، ابو طریف کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عدی بن حاتم، عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امرالقیس، ابن عدی بن ربیعہ بن جرول بن ثعل بن عمرو بن غوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان، عدی مشہور حاتم طائی کے جنکی فیاضیاں ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں، عقیدۃً کے اعتبار سے عیسائیوں کے رکوسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے،

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر و اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر اطاعت خم کیے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائیگا، تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا، دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا، اس لیے انھوں نے ترک وطن کا فیصلہ کرلیا، اور سامان سفر درست کرکے اسلامی نوجون کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کے حدود کی طرف بڑھیں ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں، جب اسلامی شہسوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لیکر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے،[1]

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں،

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۸

اور عام قیدیون کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کردی گئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا، تو ان خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ! باپ مرچکے ہین چھڑانے والا اس وقت موجود نہین ہے، مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، چھڑانے والا کون ہے، عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی عدی جس نے خدا ورسول سے فرار اختیار کیا، یہ کہکر چلے گئے، دوسرے دن پھر گذرے، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی، اور پھر وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورے سے درخواست کی، اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہا فرمادیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھین، اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کرکے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے مین جلدی نہ کرو، جب تمھارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو، چند دنون کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے، طائی خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ نے ان کے شایان شان سواری، لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کرکے بحفاظت تمام روانہ کردیا، یہان سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچین، اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی، کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا، اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھکو تنہا چھوڑ دیا، عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، چند دنون کے بعد عدی نے ان سے پوچھا، تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا رائے قائم کی، انھون نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلدی ہوسکے تم ان سے ملو، اور اگر وہ نبی ہین تو ان سے ملنے مین سبقت کرنا شرف و سعادت ہے، اور اگر بادشاہ ہین تو تمھارے جیسا معزز آدمی کا ایک باعزت فرمانروا انکا کچھ نہین بگاڑ سکتا،[1]

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۲-۲۶۳

یہ معقول بات عدی کے سمجھ مین آگئی، چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے، اور مسجد نبوی مین آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، آپنے انکا نام پوچھا اور انکو لیکر کاشانۂ اقدس کیطرف چلے راستہ مین ایک بوڑھی عورت ملی اس نے آپکو روک لیا، آپ دیر تک اس سے باتین کرتے رہے، اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا، اور انھون نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہین ہوسکتا، گھر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا، اور خود زمین پر بیٹھے، اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا اور انھین یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہین ہوسکتے، اس کے بعد آنحضرت صلعم نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا، انھون نے کہا کہ مین تو ایک مذہب کا پیرو ہون، آپ نے فرمایا، مین تمھارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہون، عدی نے متعجبانہ پوچھا آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہین؟ فرمایا بیشک، کیا تم رکوسی نہین ہو، اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہین لیتے ہو، عدی نے اقرار کیا، ان کے اقرار کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمھارے مذہب مین جائز نہین ہے، یہ حقیقت سنکر عدی کمزور پڑگئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مین سمجھتا ہون کہ کیا چیز تمھارے اسلام قبول کرنے مین مانع ہوتی ہے، اسلام کے متعلق تمھارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتوان لوگ ہین، جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ انکا کوئی پرسان حال، پھر پوچھا، تم حیرہ کو جانتے ہو، عدی نے کہا، دیکھا تو نہین ہے لیکن نام سنا ہے، آپنے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی، اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا، عدی نے متعجبانہ پوچھا کسریٰ

ابن ہرمز؟ فرمایا ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے، اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔[1]

امارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے، اور اسلام سے پہلے جن کا جو رتبہ تھا اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے، عدیؓ قبیلہ طے کے حکمران تھے، اس لیے اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔[2]

عہد صدیقی حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کر دی، اس موقع پر عدیؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا، اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربار خلافت میں پہنچاتے رہے۔[3]

عہد فاروقی ۱۳ھ میں جب حضرت عمرؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لیے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں، تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لیکر شرکت جہاد کے لیے پہنچے، اور امیر العسکر مثنیٰ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے، اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، اور ایرانیوں نے شکست کھائی، اس کے بعد نہر مثنیٰ پر صف آرائی ہوئی، اس میں بھی عدیؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔[4] اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی، اس میں مثنیٰ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔[5] اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۷۸، مسند میں یہ حالات جستہ جستہ ہیں، ہم نے انھیں جمع کر کے ایک سلسلہ میں لکھدیا ہے۔ [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۰۷ [3] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۲ [4] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۴۱ [5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳

ین بھی عدی نے دادِ شجاعت دی[1]، سب سے آخر مین کوثی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی، عدی اِن
مین بھی شریک، اور مدائن کے فاتحین مین تھے، ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانون کے قبضہ
مین آیا، اور انھون نے اپنی آنکھون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہوئی
دیکھی[2]، ان لڑائیون کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکون مین بھی شریک تھے[3]، شام کی بعض
جنگون مین بھی وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ تھے، غرض اس عہد کی اکثر لڑائیون مین انھون
نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کین[4]،

عہد مرتضوی حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے عدی کو اختلاف تھا اس لیے ان کے زمانہ مین
بالکل خاموش رہے، اُن کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ مین
اختلاف ہوا، تو عدی نے حضرت علیؓ کی نہایت پر جوش حمایت کی، چنانچہ جنگ جمل مین وہ
حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو
قبیلہ طے کا علم عدی کو عنایت کیا، وہ جنگ جمل مین حضرت علیؓ کی حمایت مین نہایت جانباز
کے ساتھ لڑے، جس مین ان کی ایک آنکھ کام آگئی[5]، جنگ جمل کے بعد صفین مین بھی وہ اسی
جوش و خروش کے ساتھ حضرت علیؓ کی حمایت مین نکلے، اس جنگ مین بنو قضاعہ کی کمان
حضرت عدیؓ کے ہاتھون مین تھی[6]، صفین کا معرکہ مدتون جاری رہا، شروع مین فریقین
کے بہادر ایک ایک دستہ لیکر میدان مین اترتے تھے، ایک دن حضرت خالدؓ کے
صاحبزادے شامیون کی جانب سے میدان مین اترے، حضرت علیؓ کی جانب سے
جناب عدی ان کے مقابلہ کو نکلے، اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے[7]،

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۵۷ [3] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۱
[4] اخبار الطوال ص ۱۵۵ [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۱۸۳ [7] ایضاً ص ۱۹۰

ایک دن جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں، حضرت علیؓ علیحدہ ایک دستہ کو لیے صف آرا تھے، عدی کو حضرت علیؓ نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش میں نکلے، اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے، میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں، اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدی نے دکھائی تھی، ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں[1]۔

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا، اس میں بھی عدی حضرت علیؓ کے دست راست تھے، غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جاں نثارانہ شریک رہے[2]،

وفات | مختار ثقفی کے خروج تک عدی کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے، مگر اس تیس سالہ زندگی کے واقعات پردۂ خفا میں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، اور آپ کے بعد انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے، اور یہیں ۶۷ھ میں وفات پائی[3]۔

فضل و کمال | عدی گو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، تاہم چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً حضرت علیؓ سے ... ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے، اس لیے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے، چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں، اور تین میں امام بخاری اور دو میں امام مسلم منفرد ہیں[4]، ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث، عبداللہ بن معقل، تمیم بن طرفہ

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۹۸ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۵ [4] تہذیب الکمال ص ۲۶۳

خیثمہ بن عبدالرحمٰن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشعبی، عبداللہ بن عمرو، ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمٰن، عبادہ بن حبیش وغیرہ قابل ذکر ہیں[1]۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

کان سیدا شریفا فی قومہ	وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب
خطیبا حاضر الجواب فاضلا کریما[2]	حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے،

مذہبی زندگی | یوں تو عدی کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی لیکن نماز اور روزوں کیساتھ خاص شغف تھا، نماز کے لیے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑی،[3] ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا، اور نہایت اشتیاق سے نماز کے وقت کا انتظار کرتے رہتے تھے[4] روزہ کے شرائط کی اسی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ	یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے
مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ	سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے،

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے، اور اس سے سحری کے وقت کے اختتام کا اندازہ لگاتے تھے، لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے، اسود و ابیض سے مراد رات دن ہیں[5]،

فیاضی | سخاوت و فیاضی وراثۃً ملی تھی، ان کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لیے کھلا رہتا تھا،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۶۷ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [3] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۸ [4] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [5] ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور

ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگین مانگ بھیجین، حضرت عدیؓ نے انھین بھروا کر بھیجا، اشعث نے کہلا بھیجا کہ مین نے تو خالی مانگی تھین، جواب مین کہلا بھیجا کہ مین عاریۃً بھی خالی دیگ نہین دیتا،[1] ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عارہ نے آکر کہا مین نے آپ کی مدح مین اشعار کہے ہین، عدی نے کہا رک جاؤ مین ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو تمھین بتلا دون، اس کے بعد سنانا، میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم، ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے، اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا،[2] جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے، صحیح مسلم مین بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا، اتنی کم رقم سنکر بولے، مین حاتم کا بیٹا ہون اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو، خدا کی قسم ہرگز نہ دون گا،[3]

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے، چیونٹیون کی غذا مقرر تھی، ان کے لیے روٹیان توڑ کر ڈالتے تھے، کہتے تھے یہ بھی حقدار ہین،[4]

بارگاہ نبوی مین عزت

عدی اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوتے تو آپ ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے،[5] خلفا کے یہان بھی یہی وقعت قائم تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین مدینہ آئے اور ان سے ملکر پوچھا، آپ نے مجھے پہچانا، فرمایا، پہچانتا کیون نہین تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر مین مبتلا تھے، تم نے اس وقت حق کو جانا، جب لوگ حق کے منکر تھے، اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکا دے رہے تھے، اور

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳ [2] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶ [3] مسلم ج ۲ ص ۴۲ مطبوعہ مصر [4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳ [5] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶

تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھیر رہے تھے، سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ طے کا تھا،[1]

(۴۶) حضرت عطیہ القرظیؓ

نام ونسب عطیہ نام، باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، قبیلہ بنو قریظہ کے یہودی تھے[2]

اسلام بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھکر چھوڑ دیے گئے تھے، اور بعد میں مسلمان ہو گئے، ان میں حضرت عطیہؓ بھی تھے[3]

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی،

علم وفضل کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبد الملک بن عمیر وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے،[4]

(۴۷) حضرت علی بن رفاعہؓ

نام ونسب علی نام، حضرت رفاعہؓ صحابی کے صاحبزادے اور نسباً یہودی تھے،[5]

اسلام اور شرف صحبت غالباً اپنے والد حضرت رفاعہؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے، اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، اُن میں میرے والد بھی تھے، اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے،

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے [2] استیعاب ص ۵۱۸ [3] اسد الغابہ ص ۴۱۳ ج ۳ [4] ایضاً [5] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۵

اور لکھا ہے کہ ابو حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحابی ہیں، وہ روایت یہ ہے، عمرو کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخابرہ[1] کے متعلق انصار سے دریافت کرو، میں نے علی بن رفاعہ سے دریافت کیا، تو انھون نے فرمایا کہ

هو كرى الارض بالثلث والربع — مخابرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر اٹھانے کا۔

علم و فضل مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھین دینی مسائل اور احکام مین کافی درک تھا، اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے،

(۴۸) حضرت عمرو بن سعدی رض

نام و نسب عمرو نام، باپ کا نام سعدی قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا،

اسلام بنو قریظہ جس روز جلا وطن کیے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نقض عہد کیا، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنون کی مدد نہ کروگے، مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی، مین نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا، اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں،[2]

البدایہ والنہایہ مین ہے کہ انھون نے یہ بھی کہا تھا کہ:

يا قوم قد رأيتم ما رأيتم فاتبعوني — اے قوم جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ

---

[1] مزارعہ اور مخابرہ مین فرق ہے، مزارعہ مین بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخابرہ مین عامل کا، دوسرا فرق صاحب مجمع بحار الانوار نے یہ بیان کیا ہے۔ مزارعة اكتراء العامل لبعض ما يخرج والمخابرة اكتراء العامل الارض ببعض ما يخرج منها لفظ "خبر" یہ لفظ خبار یا خیبر سے مشتق ہے،

[2] اصابہ جلد ۴ ص ۵۳۰

تعالوانتبع محمدا واللہ انکم	محمد کا اتباع کریں، خدا کی قسم تمھیں معلوم
تعلمون انہ نبی قد بشرنا بہ	ہے کہ ابن الہیبان اور ابن الحواش جو
وبامرہ ابن الہیبان وعمیر	ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور
ابن الحواش ھو اعلم یھود[1]	اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے۔

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے، اور رات وہیں بسر کی، اور اسلام قبول کیا، اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ذالک رجل نجاہ اللہ	اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اسکی سچائی کی
بصدقہ[2]	وجہ سے نجات دی،

(۴۹) حضرت عمیرؓ بن امیہ

عمیر نام، باپ کا نام امیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب معلوم نہیں، ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے،

ان کے ایک بہن تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وسست کہا کرتی تھی، حضرت عمیرؓ کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا، جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے، اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھکر اس سے بدلہ لینا چاہا، حضرت عمیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قتل کیا ہے، فرمایا اپنی بہن

---

[1] البدایہ ج ۴ ص ۸۰ [2] اصابہ ج ۲ ص ۵۳۸

کو قتل کر ڈالا ہے کہا ہاں یا رسول اللہ، وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکوں کو بلوایا، اور واقعہ پوچھا، انھوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا، لیکن آپ نے انھیں عمیر کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا،

جس عورت کو انھوں نے قتل کیا تھا، اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی، اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی، اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے، واللہ اعلم،

(۵۰) حضرت کثیرؓ بن السائب

نام ونسب | کثیر نام، باپ کا نام سائب تھا، جو خاندان قریظہ سے تھے، غزوۂ قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھکر چھوڑ دیے گئے تھے، ان میں حضرت کثیرؓ بھی تھے، نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے لیکن ابو نعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تخریج کی ہے،[۲]

زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے،

(۵۱) حضرت کرزؓ بن علقمہ

نام ونسب | کرز یا کوز نام، باپ کا نام علقمہ تھا، آپ کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا

[۱] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۰۶، [۲] بعض لوگوں نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابو نعیم ابن شاہین، اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ اصابہ ذکر کثیر بن السائب [۳] نام میں تھوڑا اختلاف ہے، بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے،

آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی، اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے، اس لیے نجرانی مشہور ہیں،[1]

اسلام | جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا، دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے، راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ تعس الابعد (دور رہنے والے (محمد) کا برا ہو) ابو حارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ تمہارا برا ہو، کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں، بھائی نے جواب دیا کہ

قد واللہ النبی الذی کنا ننتظرہ — خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے،

پھر کرز نے کہا کہ تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا کہ یہ مال و دولت، اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھن جائے گی، ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرزؓ کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا اس وقت تو وہ خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا،[2] متأخر الاسلام تھے اس لیے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردۂ خفا میں ہیں،

(۵۳) حضرت کعبؓ بن سلیم

نام ونسب | کعب نام، باپ کا نام سلیم تھا، یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے، چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے اسلیے کعب قرظی اور اوسی دونوں مشہور ہیں،

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۵۶ [2] اصابہ ج ۳ ص ۲۹۲،

اسلام | بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھکر چھوڑ دیے گئے تھے، ان مین حضرت کعبؓ بھی تھے، اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد مین دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے،

وفات | وفات کا سنہ معلوم نہین،

اولاد | دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہین[1]

(۵۳) حضرت مخربؓ

نام و نسب | مخرب نام، الرباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے،

صاحب اصابہ نے آپ کو صحابہ مین شمار کیا ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان کے والی ابن الجلندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا[3] آپ کے ایک صاحبزادے مثنیٰ بڑے صاحب فضل و کمال ہوئے ہین[4]

(۵۴) حضرت محمد بن عبد اللہؓ بن سلام

نام و نسب | محمد نام، حضرت عبد اللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے

اسلام | آپ کے اسلام لانے کی کوئی تصریح نہین ملتی ہے، غالباً حضرت عبد اللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہون گے، آپ کو شرف صحبت اور روایت دونون حاصل ہے،

کتب رجال مین ہے کہ

لہ رویۃ وروایۃ محفوظۃ[5] ان کو صحبت اور روایت دونون حاصل ہے،

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۲۶۶ [2] اصابہ ج ۳ ص ۳۰۶ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] اصابہ

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں، ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے وہ یہ ہے:

عن محمد بن عبد اللہ بن سلام لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علینا یعنی قبا[1] قال ان اللہ عز وجل قد اثنی علیکم فی الطھور

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کتبِ رجال میں مذکور نہیں ہیں۔

(۵۵) حضرت مخیریق رض

نام و نسب مخیریق نام، قبیلہ نضیر[2] سے نسبی تعلق تھا، آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا،

اسلام اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال و سیر میں صرف اتنا مذکور ہے،

کان خیرًا عالما فآمن بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم[3] — نہایت صالح اور عالم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے،

غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت مخیریق یہود مدینہ کے پاس آئے، اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر طرح مدد کرنی چاہیے، جبکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے، یہود نے کہا کہ آج یوم سبت (سنیچر) ہے، ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں، فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی، اور سرگرمِ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے، اور شہادت پائی[4]،

---

[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان مدینہ میں قبا میں رہتا تھا [2] تجرید ج ۲ ص ۷۰ اصابہ میں ہے کہ انہ کان من بقایا تیمای تابع تحریر حافظ ابن حجر کا رجحان آپ کے نضری ہونے کی طرف ہے، کیونکہ انہوں نے "مخیریق النضری" سرخی قائم کی ہے، [3] تجرید ج ۲ ص ۷۰ [4] اصابہ ج ۳ ص ۳۹۳

فضل وکمال آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مخیریق سابق یہود[1] مخیریق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں،

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے، جب غزوہ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائداد باغ اور مال واسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کر گئے، آپ نے جو باغات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے تھے، ان کے نام یہ ہیں،

المیث، الصائفہ، الدلال، حسن، برقہ، الاعواف، مشربہ ام ابراہیم[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخیریق کی اسی جائداد سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے،[3]

(۵۶) حضرت میمون بن یامین رضی اللہ عنہ

نام ونسب میمون نام، باپ کا نام یامین، یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے، اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے، اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا،[4]

اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، تو میمون خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کیا، لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی وسعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کرلیں، جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکا دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] اصابہ جلد ۶ ص ۴۶ [2] ایک روایت میں المیث کے بجائے المبثر ہے اور الاعواف کی جگہ المعوال ہے، اصابہ جلد ۶ ص ۴۶ [3] ایضاً [4] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۷۴

یہود کو بلوا بھیجا، اور میمون سے کہا کہ تم مکان کے اندر چلے جاؤ، یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کرو جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دین، سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم میمون بن یامن کو اپنا حکم مقرر کرتے ہین اگر انھون نے آپکی تصدیق کرلی تو ہم بھی تصدیق کرین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمون کو آواز دی، وہ مکان سے نکلے اور فرمایا

اشھد ان محمداً رسول اللہ — آپ بیشک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہین،

لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن تشنیع شروع کردی، اور واپس چلے گئے،

آپ کی شان مین یہ آیت نازل ہوئی،

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَشَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (احقاف)	آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھکو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل مین سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دیکر ایمان لے آئے

زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہین،

(۷۵) حضرت نابورؓ

نام و نسب | نابور نام، اور حصی عرف تھا، حضرت نازیہؓ کے چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھے، اور

۱؎ لیکن یہ واقعہ ارباب رجال حضرت عبد اللہ بن سلام کے بارے مین بھی نقل کرتے ہین، اور آیت کا شان نزول ان ہی کو بتلاتے ہین، مگر اسمین کوئی استبعاد نہین ہے، ہو سکتا ہے کہ دونون کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو، اور دونون منشاء نزول ہون جیسا کہ فتح الباری مین دونون آدمیون کے قبول اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے، ۲؎ اصابہ ج ۶ ص ۲۲۷، ۳؎ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۶

ان ہی کے ساتھ مقوقس شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا[1]

اسلام | حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن مابورؓ نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا، حضرت ماریہؓ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے، اور انکی کافی خدمت کیا کرتے تھے، ان کو لکڑی اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی، تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے[2]

(ن)

(۵۸) حضرت نافعؓ

نام ونسب | نافع نام، حبشہ کے رہنے والے اور علماء نصاریٰ میں تھے،

اسلام | غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے،

خدمت نبویؐ میں حاضری | جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے، اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے،

زندگی کے دوسرے سوانح وحالات نہیں مل سکے لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے جن کے بارے میں سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں[3]،

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاری کہتے ہیں، یہ اس سبب

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۳۴۴ [2] ایضاً ج ۴ ذکر ماریہ [3] ایضاً

[4] آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، ان ہی کے تذکرہ میں ایضاً آپ کے فضائل اور حالات بھی آچکے ہیں،

اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست
قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ	عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں
لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (مائدہ ۱۱)	اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں،

(رضی)

(۵۹) حضرت یامین بن عمیر

نام ونسب یامین نام، باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے، اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے، مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے[۱]، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن جحاش، بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں کیادیون اور منافقتوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا، تو ان کی یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کر دی گئی، بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بدعہدی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا، امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے، مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے، لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے جنکے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی، انھوں نے جب دیکھا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۹۹ [۲] ایضاً استیعاب ج ۲ ص ۶۳۲، حافظ ابن حجر نے یامین بن [illegible] اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے، اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے، مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب دونوں کو ایک شمار کرتے ہیں

اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ و دانستہ راہ راست سے بھاگ رہے[1] تھے، ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین بھی تھے،[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے بدلہ

عمرو بن حجاش، یامین کا چچازاد بھائی تھا، اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے، اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے، (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہو سکا، یامین مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یامین سے فرمایا، اپنے چچازاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا، یامین فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول کی فکر میں لگ گئے، اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا،[3]

غزوۂ تبوک میں مدد

غزوۂ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور سواریوں کی درخواست کی، مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں، اس لیے معذوری ظاہر کی، وہ لوگ بچشم پرنم مایوس واپس گئے، قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج و ملال کا نقشہ کھینچا ہے،

اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ	جس وقت وہ آپکے پاس آتے ہیں کہ آپ انکو کوئی
لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا	سواری دیدیں اور آپ ان سے کہدیتے ہیں کہ میرے
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا	پاس کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو

[1] ابن الهیبان نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ میں ہجرت کرکے آئے گا اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے، جس میں ایک جلاوطنی ہی،

[2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۹۹ [3] اصابہ ج ۳ ص ۶۴۹

اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ناکام اس حالت سے واپس چلے جاتے

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں،

(توبہ - ۱۲) اس غم میں کہ افسوس انکو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں،

ان ہی میں حضرت ابو لیلیٰؓ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل بھیؓ تھے، جنھیں لڑائی میں شریک نہ ہو سکنے کا بیحد افسوس تھا، یہ رو رہے تھے کہ یامین کا ادھر سے گذر ہوا، انھوں نے رونے کی وجہ دریافت کی، تو انھوں نے سارا قصہ کہہ سنایا، حضرت یامینؓ نے فوراً دو سواریاں اور کچھ سامانِ سفر پیش کیا، اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہو گئے[1]

وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات و حالات کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں،

فضائل | حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں[2]

وہو من کبار الصحابۃ — آپ کا شمار کبار صحابہ میں تھا،

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ — اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول

---

[1] بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرہ میں بھی لکھا ہے لیکن دونوں واقعہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے تمام ارباب رجال و سیر نے اس واقعہ کو حضرت یامینؓ کی طرف منسوب کیا ہے، چونکہ حضرت یامینؓ کے نام اور انکے باپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے، اسلیے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہو گیا ہے، چنانچہ تجرید نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے، اور سلسلہ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامینؓ کے بیٹے تھے، اسلیے ہو سکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں، اور راوی نے انکی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کر دیا ہو،

[2] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۳۵، حافظ نے اصابہ کی اس آیت کا منشاء نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے مگر جیسا کہ اوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں،

وَرَسُوْلِهٖ — پر ایمان لاؤ،

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامینؓ بھی تھے،

(۶۰) حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام

نام ونسب یوسف نام، ابو یعقوب کنیت، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے صاحبزادے تھے[1] جن کا اوپر ذکر آچکا ہے،

تعلیم وتربیت آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی، آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم وتربیت پائی، صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعاء وبرکت کے لیے لاتے، یہ پیدا ہوئے تو ان کو بھی بارگاہ نبوت میں لایا گیا، آپ نے ان کو گود میں بٹھایا، اور سر پر دست شفقت پھیرا، اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا، خود یوسف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ

اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اپنی گود میں

فی حجرہ ومسح علی راسی وسمانی — بٹھایا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا

یوسف — اور میرا نام یوسف رکھا،

شرف صحبت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا، اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے[2]،

وفات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں وفات پائی،[3]

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳۵ [2] بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے، اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے، اصابہ ج ۳ ص ۶۷۱ [3] ایضاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ سے بھی روایتین کی ہین،

علم وفضل ترمذی ابوداؤد ومسند احمد مین ان کی متعدد روایتین موجود ہین، بعض لوگون نے ان کا شمار ان صحابہ مین کیا ہے جنھون نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے،[۱]

(۶۱) حضرت ابوسعید بن وہبؓ

نام ونسب ابوسعید نام یا کنیت، باپ کا نام وہب، تھے تو قبیلۂ بنو نضیر سے مگر غلطی سے بنو قریظہ کی طرف منسوب[۲] ہوکر قرظی مشہور ہین،

اسلام بنو نضیر کی جلاوطنی کے روز[۳] حضرت یامینؓ کے ساتھ انھون نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اسلام سے جوڑ لیا،[۴]

مسلمانون کی آپکے مال وجائداد سے دست برداری بنو نضیر کے متروکہ مال وجائداد پر مسلمانون نے قبضہ کرلیا، مگر حضرت یامینؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لاچکے تھے، اس لیے کسی نے ان کے مال وجائداد کو ہاتھ نہین لگایا،[۵]

وفات سنہ وفات معلوم نہین ہوسکا،

علم وفضل آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہین،[۶]

---

[۱] اصابہ ج ۳ ص ۱۰۷۶ [۲] حافظ ابن عبدالبر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے، استیعاب ج ۲ ص ۱۷۳، [۳] بعض لوگون نے لکھا ہے کہ غزوۂ قریظہ کے روز اسلام لائے، مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے، اصابہ ج ص ۸۷ [۴] استیعاب ج ۲ ص ۷۱۳ [۵] اصابہ ج ۴ ص ۸۷

[۶] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۰۱

(۶۲) حضرت ابو مالکؓ

نام و نسب عبد اللہ نام، ابو مالک کنیت، اسلام سے پہلے آپ علماے یہود مین تھے اصل وطن یمن تھا، لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کرکے یثرب چلے آئے تھے، اور یہین قبیلہ قریظہ کیا کسی عورت سے شادی کرلی تھی، اسی وجہ سے بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہین[1]

وفات وفات کی تصریح نہ مل سکی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توراۃ مین مذکور ہین ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا،

صفتہ فی کتاب بنی ہارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسمعیل یاتی بدین الحنیفیہ دین ابراھیم یاتزر علی وسطہ ویغسل اطرافہ وھو اخر الانبیاء[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حضرت ہارونؑ کی کتاب مین موجود ہے جس مین ابتک کوئی تبدیلی اور تحریف نہین ہوئی ہے، اسمین یہ ہے کہ احمد نام رکھا جائیگا، دین حنیف کو جو حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے لیکر آئینگے [illegible] سے اور پاؤن دھوتے ہونگے، اپنے اعضا کو پاک وصاف رکھتے ہونگے اور یہ آخری نبی ہونگے،

آپ سے کوئی روایت مروی نہین ہے،

(۶۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شیدائی خادم

نام و نسب تو نہین معلوم ہوسکا، لیکن حاکم نے مستدرک مین حضرت انسؓ سے ایک روایت

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۷۳ [2] ایضاً

نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی خادم بھی تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے، پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، عیادت کے بعد آپ نے قبول اسلام کی دعوت دی، اس کے باپ وہاں موجود تھے، اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، باپ نے کہا جو کچھ نبی امی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو، اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، غالباً اسی مرض میں اس کی وفات ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کیساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی،

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو ایک یہودی خادم رسول کا مشرف باسلام اور صحابی ہونا، اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کیساتھ گذار دی، مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا، حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلادۂ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جا سکتا تھا، لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

لہ اس روایت کو ذہبی نے تلخیص میں دوسری سند سے ذکر کیا ہے، اور حاکم کی روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے،

تابعین

اُدیم التغلبی

اُدیم [1]، ہُذیم یا ہریم نام، باپ کا نام عبد اللہ تھا، خاندان تغلب کے نصرانیوں [2] سے نسبی تعلق تھا، زمانۂ قبولِ اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی،

[1] نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے، چنانچہ صاحب بذل المجہود نے عین المعبود کے مولف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں، حالانکہ ایک نہیں، دو ہیں، ہریم تابعی ہیں، اور ہذیم صحابی، لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے، ارباب رجال نے انکو ایک ہی شمار کیا ہے، اسد الغابہ میں ہے کہ اُدیم اور ہذیم ایک ہی ہیں، صاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے، رہا ہریم، تو ہریم ابن عبد اللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے لیکن ان سے جبی ابن معبد کی یہ روایت ثابت نہیں ہے، اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے جبی کی روایت بھی ثابت ہو کتب رجال میں نہیں ملتا، یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے لیکن اس میں اُدیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے، ابو داؤد میں ہذیم کا نام آیا ہے لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے انکے نام میں بھی کافی اختلاف ہے، اس لیے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں انکو ایک ہی شمار کیا ہے،

[2] انکی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں جنکے پیش نظر ہم نے انکو اس فہرست میں لے لیا ہے، ایک یہ کہ یہ الثعلبی ہیں، اور بنی تغلب کا نصاری (بنو تغلب نصاری تھے) اور اسلیے التغلبی ہونا ثابت ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ جبی ابن معبد نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ اُدیم انکے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور جبی ابن معبد کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے،

یہ صحابی ہین یا تابعی اس کے بارے مین ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے، صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ مین شمار کیا ہے، اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مخضرمین مین داخل کیا ہے، جو لوگ انکو صحابہ کی فہرست مین داخل کرتے ہین غالباً ان کے پیش نظر ابو داؤد کی وہ روایت ہے جس مین ایک تابعی صبی بن معبد نے ان سے حج مین قران کے متعلق دریافت کیا تھا تو انھون نے صبی کو اسکی اجازت دیدی تھی، حدیث کی کتابون مین یہی ایک روایت ان سے مروی ہے لیکن ابو موسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہین پہنچائی ہے، اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہین کیا ہے، خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابو موسیٰ کا یہ قول نقل کرکے کہ "ان کی روایت کا سلسلۂ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہین پہنچا" ان کے صحابی ہونے مین شک ظاہر کیا ہے،

بہرحال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہین ہو سکی، اور اسی بنا پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ مین شامل کرنے کے تابعین کی فہرست مین داخل کیا ہے، زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہین ہو سکے،

ارمی بن النجاشی

ارمی، ارہی یا اریحا نام، نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے،

خدمت نبوی مین آمد سے پہلے وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمام بادشاہون کو دعوت اسلام کے خطوط و پیغام بھیجے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ کو پیغام دیکر بھیجا، شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا، اور ساٹھ آدمیون کے ساتھ اپنے صاحبزادے

ارحی کو خدمتِ نبوی میں روانہ کیا، لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں، جبکہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا اس کی ہلاکت خیز موجوں کے نذر ہوگیا،[1] اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا، اکسٹھ آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارحی بن النجاشی کا پتہ چل سکا،

ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

بقیہ اہلِ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ انکے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لیے مٹ گئے،

(۳) اصبغ ابن عمرو

نام و نسب اصبغ نام، باپ کا نام عمرو تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن جناب، قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے، یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا، اصبغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے،

اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے حضرت عبد الرحمان ابن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا، حضرت عبد الرحمانؓ نے وہاں پہنچکر اہل دومہ کو اسلام کا پیغام سنایا، پہلے روز ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انھوں نے دعوت دی لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی، تیسرے روز پھر حسبِ دستور انھوں نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا، تو اصبغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا، اور انھوں نے نصرانیت کا قلادہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے،

اصبغ کی صاحبزادی سے حضرت عبد الرحمانؓ بن عوف کا نکاح حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصبغ کے اسلام کی اطلاع دی، اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے

[1] اصابہ ج ۱

کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبد الرحمان ابن عوفؓ نے تعمیلِ ارشاد میں اصبغ کی صاحبزادی تماضر سے نکاح کر لیا[1]، مزید تفصیل تماضر کے حالات میں آئے گی،

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے، اس لیے کہ قریش اپنی شرافتِ نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنی اور فروتر سمجھتے تھے، لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا، یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی،

اصبغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے، اسی لیے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے، اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے،

(۴) اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ

نام و نسب اصحمہ نام، باپ کا نام ابحر، نجاشی شاہی لقب حبشہ (ابی سینیا) کے بادشاہ تھے، عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں[2]،

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش ہجرت کر جانیکا حکم دیا، چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کمسی حبشہ ہجرت کر گئی، حبشہ میں اس وقت یہی اصحمہ النجاشی بادشاہ تھے، جنکے سایۂ عاطفت میں پہنچکر جان نثاران اسلام نے اطمینان کا سانس لیا، نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، قریش کو

[1] اصابہ جلد ۱ [2] اصابہ جلد ۴ ذکر تماضر [3] اصابہ ج ۱ ذکر اصحمہ

اس احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا پیچ و تاب کھایا، آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد جائے، اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے، اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ منتخب ہوئے، یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے و تحائف پیش کیے، اور مقصد کی تکمیل کے لیے انکو ہموار کر لیا، پھر شاہ نجاشی اصحمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا، نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی، انھوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا، نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا، انھوں نے بھی یک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی لیکن شاہ نجاشی نے کہا، میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا، اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو انکو واپس کر دوں گا، ورنہ جو میری پناہ میں آگیا ہے، اس پر ظلم روا نہیں رکھا جا سکتا، مسلمان دربار میں بلائے گئے، تو اصحمہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے، جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی ہے، اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے، مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر رض نے وکالت کی، اور برسر دربار ایک بہت ہی موثر اور دلنشین تقریر کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں بیان کیں، اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفر رض سے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی، انھوں نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں، نجاشی پر رقت طاری ہو گئی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالہ کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور مسلمان [illegible] یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے،

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انھوں نے دوسرے روز [illegible]

دربار میں رسائی حاصل کی، اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کے متعلق دریافت فرمایا جائے، مسلمان پھر بلائے گئے، ان کے لیے یہ بڑی آزمایش کا وقت تھا، اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اسکے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے، آخر انھوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو انھیں سچ ہی بولنا چاہیے، اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ ہمارے نبی نے ہمیں بتایا ہے کہ "حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے، اس کے کلمہ اور اسکی روح ہیں"، نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ "خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے، لیکن ان کی ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، قریش نے جو تحفے تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے، نجاشی نے سب واپس کر دیا، اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا،

اسلام یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں ابو بردہ سے ایک روایت ہے کہ

قال النجاشی اشهد انه	نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ
رسول الله وانه الذی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ کے رسول ہیں
بشر به عیسی ابن مریم	اور وہی نبی ہیں جنکی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے،

بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی،

خدمت نبوی کی تڑپ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ملوک و سلاطین کو دعوت بھیجی تو شاہ نجاشی کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا، شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا، آپ کی رسالت کا اقرار کیا، اور اپنے لڑکے ارحا کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا، اور

لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا، [۱]

وفات مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اسی روز ان کے موت کی اطلاع مل گئی [۲] اور آپ نے بڑے رنج و غم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا، فرمایا کہ مسلمانو! تمھارے برادر صالح اصحمہ نے انتقال کیا ان کے لیے دعاء و استغفار کرو، پھر صحابہ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، [۳]

فضائل تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ	بعض اہل کتاب میں جو ایمان لاتے ہیں اللہ
بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا	پر اور جو تمھاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی
اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ	طرف، اللہ سے ڈرتے ہوئے،
وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى	جب وہ سنتے ہیں جو کچھ کہ رسول کی طرف

[۱] ابوداؤد کتاب الجنائز [۲] بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی روز ان کے موت کی خبر مل گئی تھی، اسی طرح غزوۂ موتہ میں بھی آپ کو سپہ سالاران اسلام کی شہادت، اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس میں فتح کی خبر بھی کسی مادی ذریعۂ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی، اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہوئی،

[۳] غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہا کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں، اور اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں، اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے،

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نجاشی نہیں ہیں جنکی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی، لیکن حافظ ابن قیم نے اس راوی کا وہم بتایا ہے،

الرَّسُوْلِ تَرٰیٓ اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ( ) | نازل ہوا، تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے ہین، یہ اس وجہ سے کہ انھون نے حق کو پہچان لیا ہے،

مین دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لیے گئے ہین،

اخلاق شاہانہ اوصاف، عدل و انصاف، رحم و کرم اور رعایا پروری کے علاوہ عام انسانی اخلاق و اوصاف سے بھی متصف تھے، اپنے ملک مین مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانون کے ساتھ انھون نے جو حسن سلوک کیا، اس احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گران بار رہے گی،

(۵) بکّا الراہب

نام و نسب بکا، نام، شام اصلی وطن تھا، ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہین رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین موجود تھے، لیکن شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے، ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی،

سعد بن العاص صحابی بیان کرتے ہین کہ مین چھوٹا تھا تو میرے چچا ابان بن سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے، وہان بکا الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی انھون نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعوی کیا ہے، بکا نے نام دریافت کیا، کہا محمدؐ، پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے کو نبی کہتے ہین، جواب دیا کہ بیس برس سے، اس کے بعد بکا نے کہا کہو تو مین ان کے صفات بیان کرون، ابان

کہتے ہین کہ انھون نے ان کی تمام صفات بیان کین، اور ذرا غلطی نہین کی، اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہین، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کریگا، میرا سلام ان کو پہنچا دینا، یہ کہکر وہ پھر گرجا مین چلے گئے،

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے، اور بحیرا سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا، اس کے بعد ابان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہوگئے،

(۶) تمام بن یہودا

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود مین سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان مین تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول یعنی صحابہ مین داخل کیا ہے، جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائید نہین ہوتی، اور خود انھون نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہین کیا ہے، اس بنا پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست مین داخل کیا ہے،

(۷) صبی بن معبد

نام ونسب صبی نام، باپ کا نام معبد تھا، نسباً تغلبی اور مذہباً عیسائی تھے،

اسلام نصرانیت ترک کرکے اسلام قبول کیا، اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا۔ حدیث کی تمام کتابون مین ان سے قرآن کے بارے مین ایک مشہور حدیث مروی ہے، وہ یہ ہے،

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا، اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا، لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی، اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کر لوں (پھر جہاد میں شرکت کروں) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ ہذیم بن عبد اللہ نامی[1] کے پاس گیا، اور ان سے مسئلہ قران[2] کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے مجھکو اس کی اجازت دی، حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان ابن ربیعہ اور زید بن صوحان[3] سے ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمھارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے)، میں وہاں سے سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا، اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا، انھوں نے فرمایا کہ تم نے سنت نبوی کے بالکل مطابق حج کیا ہے[4]،

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے، اس سے زیادہ انکی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی،

روایت حسب ذیل حضرات سے انھوں نے روایت کی ہے،

ابو وائل، مسروق، ابو اسحاق السبیعی زر بن جبیش، امام شعبی، ابراہیم النخعی، مجاہد، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، مسلم بن حاتم بھی فرماتے ہیں کہ

تابعیٌّ ثقۃٌ ثقہ تابعی تھے،

(۸) ضغاطر الاسقف الشہید

نام ونسب ضغاطر نام، روم اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر

[1] ان کا ذکر پہلے آچکا ہے، [2] حج و عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دیدی [3] یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے [4] اسد الغابہ [5] تہذیب التہذیب،

اور قوم کے سب سے بڑے پادری تھے۔

اسلام | ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیۃ الکلبی کے ذریعہ نامۂ اسلام بھیجا، تو ہرقل نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر اس نے حضرت دحیہؓ کو ضغاطر اسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں، حضرت دحیہؓ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی، اور فرمایا نعرفہ باسمہ ووصفہ (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے، اپنا مخصوص لباس اتارا، اور سفید لباس پہنکر باہر واپس آئے، اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا، یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نرغہ کیا، اور ان کو شہید کر ڈالا،

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا، اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا، تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو، میں تو اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا،[۱]

(۹) عمیر بن حسین

نام ونسب | عمیر نام، نجران اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن شرفِ زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

[۱] اصابہ ذکر ضغاطر

اسلام پر استقامت ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھلائی، خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے، اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، انھوں نے ان کے سامنے یہ پُر اثر تقریر فرمائی کہ

"اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی، اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو، یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہیے تھا کہ اسلام پر جمے رہتے، کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ہدایت کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی، پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے[1]،

یا اھل نجران امسکوا بھدی	اللہ کونوا ایداً علی الکفار
لا تکونوا بعد الیقین الی	الشک وبعد الرضا الی الکفار
واستقیموا علی الطریقۃ فیہ	وکونوا کھیئۃ الانصار[2]

(۱۰) کعب احبار

نام و نسب ۔ کعب نام، ابو اسحٰق کنیت، نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رعین سے تھے، نسب نامہ یہ ہے، کعب بن ماتع بن ہینوع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جمہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا بن حمیری،

---

[1] اصابہ جلد ۲

[2] یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے، مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے،

اسلام اور ورود مدینہ

کعب مشہور تابعی ہین، قبول اسلام سے پہلے یہود کے جید علماء مین شمار کیے جاتے تھے، عہد رسالت مین موجود تھے لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت مین وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کرسکے، اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ مین مشرف باسلام ہوگئے تھے، کعب کا بیان ہے کہ علیؓ جب یمن آئے تو ان کی خدمت مین حاضر ہوکر مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوچھے، انھون نے بتائے، تو مین مسکرایا، علیؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا، مین نے کہا، ہمارے یہان (نبی آخرالزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہین، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہین، اسی لیے مجھے ہنسی آگئی، اس سوال وجواب کے بعد مین مسلمان ہوگیا، اور لوگون کو اسلام کی دعوت دینے لگا، لیکن قیام یمن ہی مین رہا، عمرؓ کے عہد مین ہجرت کرکے مدینہ گیا، کاش مین نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی[1]، ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین اسلام لائے[2]

لیکن یہ دونون روایتین کمزور ہین، اس باب مین صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد مین کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے، جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے، سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعب سے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ مین قبول اسلام مین کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانہ مین اسلام لائے، جواب دیا کہ میرے والد نے مجھکو توراۃ سے ایک تحریر نقل کرکے دی تھی، اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابون پر مہر لگاکر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلاکر

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۲ کعب کے حالات "تابعین" سے نقل کیے گئے ہین، آخر مین اور کہین کہین درمیان مین کچھ اضافہ وترمیم ہے۔
[2] ایضاً

وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا، اور والد جو تحریر دے گئے تھے، اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا، جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا، اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے، مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے، چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں، اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آکر مسلمان ہو گیا[۱]، قبولِ اسلام کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے،

فضل وکمال کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے، یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے[۲]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفورِ علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے، وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب احبار اور کعب الحبر کہے جاتے تھے، ان کے مناقب بکثرت ہیں، اور ان کے اقوال وحکم بہت مشہور ہیں[۳]، اکابر صحابہ ان کی وسعتِ نظر کے معترف تھے، ابو درداء انصاریؓ کا حمص میں کعب کا بڑا ساتھ تھا، فرماتے تھے کہ ابن حمیریہ کے پاس بڑا علم ہے[۴]، امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں، اور کعب علماء میں، ان کے پاس سمندر جیسا اتھاہ علم تھا[۵]،

چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے، اس لیے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انھیں خاص مناسبت ہو گئی تھی، مدینہ میں صحابہ سے انھوں نے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی تھی،

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۹ [۳] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۶۹
[۴] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶ [۵] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳

اور صحابہ نے ان سے اہلِ کتاب کے علوم سیکھے تھے،[1]

کتاب و سنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ، صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا، اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابوہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ، اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبحی، عطا بن ابی رباح، عبداللہ بن رباح انصاری، عبداللہ بن حمزہ سلولی، ابورافع صائغ، عبدالرحمن بن شعیب اور ایک کثیر جماعت ان سے فیضیاب ہوئی تھی،[2]

علم اور علماء اور زوالِ علم

ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب! علماء کون لوگ ہیں، جواب دیا جو علم جانتے ہیں، ابن سلام نے پوچھا کونسی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کردے گی، فرمایا طمع، حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا، عبداللہ ابن سلام نے کہا، تم نے سچ کہا،[3]

شام کا قیام

کعب کا آبائی مذہب یہودیت تھا، اس لیے پہلے سے ان کو ارضِ شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا، مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے، اس لیے چند دنوں مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعب شام چلے گئے، اور حمص میں جاکر سکونت اختیار کرلی،[4]

مواعظ

شام کے زمانۂ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے، ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دورانِ وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ امیر، مامور اور متکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سنکر کعب نے وعظ گوئی چھوڑ دی، لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کردیا،[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵ [2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۲۸ [3] ایضاً ج ۸ ص ۳۲۴

[4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶ [5] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳

اسلامی روایات مین اسرائیلیات کا شمول

کعب کی علمی جلالت مین کوئی شک نہین، وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے، لیکن چونکہ خود یہودیون کا سرمایۂ علم زیادہ تر قصص وحکایات تھین، اس لیے کعب کا سرمایۂ معلومات بھی تمامتر یہی تھا، اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات انکے ذریعہ اسلامی لٹریچر مین داخل ہوگئین اسی بنا پر بعض ائمۂ حدیث کعب کو روایات مین ساقط الاعتبار سمجھتے ہین،

وفات

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت ۳۲ھ مین شام مین وفات پائی،[۱]

(۱۱) محمد بن کعب القرظی

نام ونسب

محمد نام، ابوحمزہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی، ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے، غزوۂ قریظہ مین گرفتار ہوئے، لیکن بہت کمسن تھے، اس لیے چھوڑ دیے گئے،

فضل وکمال

محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم وفقہ مین مدینہ کے فاضل ترین علماء مین تھے،[۲] امام نووی لکھتے ہین کہ وہ بڑے علماء اور ائمۂ تابعین مین تھے،[۳]

قرآن

ان کو قرآن وحدیث دونون مین یکسان کمال حاصل تھا، عجلی ان کو ثقۃ رجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہین،[۴] عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ مین نے تاویل قرآن کا

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵۶ ان کے حالات تابعین سے نقل کیے گئے ہین،

[۲] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۹۰،

[۴] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱

ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا[1]، حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں[2]،

قرآن میں تدبر و تفکر قرآن کے معنی میں تدبر و تفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی، ایک مرتبہ رات میں سورۂ زلزال اور سورۂ القارعہ پڑھنا شروع کیں، اور پوری رات ان ہی سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرتے رہے، یہاں تک کہ سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا[3]،

فرماتے تھے، قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر ورود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے، پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی[4]،

تفسیر کی کتابوں میں صدہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے، ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہو گی،

حدیث | حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے، علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[5]، حدیث میں انھوں نے معاویہ، کعبؓ بن عجرہ، ابو ہریرہؓ، زیدؓ بن ارقم، عبد اللہ ابن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن یزید خطمی، عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، براء بن عازبؓ، جابرؓ اور انسؓ بن مالک سے استفادہ کیا تھا،

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی، ابی المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۵۶،
[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [6] ایضاً

فقہ فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہا میں شمار تھا،

کان من افاضل اھل المدینۃ علمأ و فقہا[1] — علم و فقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلا میں تھے،

زہد و ورع زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے، ابن سعد ان کو علما متورعین[2] میں شمار کرتے ہیں،[3] حافظ ذہبی زاہد[4]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے متصف تھے،[5]

ان کی پاکبازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاکباز اور پاک نفس رہے، با ایں ہمہ دعا مغفرت و توبہ و استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، یہ دیکھکر ان کی والدہ فرماتی تھیں محمد! اگر تمھاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمھاری دن رات کی گریہ و زاری اور توبہ و استغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے، لیکن میں نے تمھیں بچپن میں بھی پاکباز اور پاک نفس پایا، اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پا رہی ہوں،

محمد بن کعب نے فرمایا، اماں جان! آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے، لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہوگئی ہو، جو خدا تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو، اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں،

زرین اقوال فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتا ہے، دین میں سمجھ، دنیا سے بے رغبتی، اور عیب پوشی،

فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ عقل کی دولت سے ضرور بہرہ ور ہوگا، چاہے اس کا سن

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] دول الاسلام ج ۱ ص ۵۶

سو برس کا کیوں نہ ہو گیا،

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں، ان کے واسطے زمین روتی اور دعا کرتی ہے، اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی اور بد دعا کرتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی،

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ — زمین و آسمان ان پر نہیں روئے،

رونے سے مراد ہمدردی و شہادت ہے، اس لیے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی،

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامت کیا ہے، فرمایا کہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنا،

ذکر الٰہی | فرماتے تھے۔ اگر ترک ذکر کی رخصت دی جا سکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریا کو رخصت ملتی، (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا، مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الٰہی کثرت سے کرو)

پھر یہ آیت تلاوت کی،

آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ — تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک کسی شخص سے

أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا — بجز اشارے کے بات نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو،

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی لیکن ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، پھر یہ آیت پڑھی[۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ — اے ایمان والو جب تم سے دشمن کی کسی جماعت

[۱] حلیۃ الاولیا ج ۳ ص ۲۱۲

فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا سے مڈبھیڑ ہو جائے، تو ثابت قدم رہو، ذکر الٰہی زیادہ کرو،

وفات | ۳۰ھ میں وفات پائی[۱]

(۱۲) نعیم الحبر

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے، کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علماے اہل کتاب میں تھا، چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا جزء ہو گیا تھا، مزدوری کرکے گزر اوقات کرتے تھے[۲]

مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا جس میں ایک کتاب تھی، ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا جس کا نام نعیم تھا، اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو، ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیۃً دیدی، ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے، اس کو دفن کر دینا چاہیے، بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے، انھوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی[۳]

قبول اسلام | مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا، وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ تمھاری نصرانیت کا کیا حال ہے؟ نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں،

---

[۱] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶ [۲] اصابہ ذکر نعیم [۳] ایضاً

بیت المقدس مین نعیم اور کعب کی دعوتِ اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبول اسلام

مطرف بیان کرتے ہین کہ اس سفر مین نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے، جب ان کے آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے، کعب احبار کو جو کتاب تستر مین ملی تھی، انھون نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ یہ ایک قدیم کتاب ہے، جو تمھاری زبان (غالباً عبرانی) مین ہے، اس کو پڑھو، ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا، جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا، تو اس نے کتاب زمین پر پٹک دی، نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے، اور کتاب کو انھون نے اپنی گود مین اٹھا لیا، اور ان سے کہا کہ اب مین ہرگز اس کتاب کو تمھین نہین دونگا، لیکن انھون نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا کہ اچھا مین اسے اپنے زانو پر رکھکر بیٹھتا ہون، تم مین سے کوئی شخص پڑھے، چنانچہ کتاب ان کے ہاتھ مین تھی، اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا، جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا — جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہیگا،

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ — اس سے وہ قبول نہین کیا جائیگا،

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے[1]، افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہین ہوسکے،

---

[1] اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہونچ کر غصہ مین کتاب پھینک دی تھی، یہ آیت قرآن کی ہے، لیکن اسی واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ کتب قدیمہ مین اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی، نعیم نے دوسرے سے اسلیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کو شبہہ ہوتا،

(۱۳) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً توراۃ اور انجیل سے واقفیت اور ان سے تعلق ان کے معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونیکی تصریح نہیں کی ہے، اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا، لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے، ان میں وہب بن منبہ بھی تھے[1] زمرۂ اہل کتاب تابعین میں داخل کر لیا گیا،

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے، ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گزری، لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور سے ان کے جو اقوال نقل کئے ہیں، ان سے پتہ پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے، نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گے

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات لکھے جاتے ہیں،

نام ونسب وہب نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن منبہ بن کامل بن سیج ابن ذی کناز یمنی صنعانی، ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے، ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی، یمن آگئے

[1] فہرست ابن ندیم ص ۲۲ سے یہ حالات زیادہ تر تذکرۃ الحفاظ تہذیب التہذیب سے ماخوذ ہیں

تھے، اور پھر یہین آباد ہو گئے اور عہد نبوی مین مشرف باسلام ہوئے،

پیدائش | ۳۴ھ مین پیدا ہوئے[۱]

فضل وکمال | اسلامی علوم مین وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا، بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابون اور صحیفون کے عالم تھے، تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے، تابعین مین ممتاز شخصیت کے مالک تھے، علامہ نووی لکھتے ہین کہ وہ جلیل القدر تابعی ہین، ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے،[۲]

حدیث | حدیث مین متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے، حضرت ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ اور نعمان ابن بشیرؓ سے ان کی روایات ملتی ہین،[۳]

ان کے صاحبزادے عبداللہ وعبدالرحمٰن اور بھتیجے عبدالصمد وعقیل اور عام لوگون مین عمرو بن دینار، سماک بن فضل اور اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا،[۴]

فقہ | ان کے تفقہ کے سلسلہ مین صرف اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ مین صنعا کے عہدۂ قضا پر مامور تھے،[۵]

غیر مذاہب کے صحیفون کا علم | وہب دوسرے مذاہب کے صحیفون کے بڑے نامور عالم تھے، بلکہ اس بارہ مین ان کی جماعت مین ان کا کوئی مقابل نہ تھا، امام نووی لکھتے ہین کہ وہ گذشتہ کتابون کے علم ومعرفت مین مشہور ہین۔[۶] حافظ ذہبی لکھتے ہین کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے۔ اور اپنے زمانہ مین کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے[۷]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸ ۲ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۴۹ ۳ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۶۷ ۴ ایضاً،

۵ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۵ ۶ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۴۹ ۷ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۹،

استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے بانوے الہامی کتابون کا مطالعہ کیا تھا، جن مین سے بعض ایسی تھین جن کے متعلق لوگون کو کم واقفیت ہے، داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ مین نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ مین نے بانوے آسمانی کتابین پڑھین جن مین بہتر کینسون مین اور لوگون کے پاس موجود ہین، اور بائیس کتابون کا علم بہت کم لوگون کو ہے، ان تمام کتابون مین یہ مضمون مشترک ہے کہ "جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے"، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابین ایسی پڑھی تھین جو تیس نبیون پر اتری تھین[1]، ان دونون روایتون مین کوئی تضاد نہین ہے، بلکہ دونون صحیح ہین، تیس کتابین ایسی رہی ہون گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی، اور بقیہ مستقل کتابین نہ رہی ہونگی، اسقدر مسلّم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے، اور قدیم صحیفون کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبد اللہ بن سلام دونون کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات مین جمع تھا،

تصنیفات عہد اسلام مین فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہؓ کے زمانہ مین اخبار الماضیین لکھی گئی، اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھون نے اس فن پر ایک مفید کتاب "ذکر الملوک" لکھی، یہ اس وقت ناپید ہے، لیکن ساتوین صدی تک موجود تھی، علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا، انھون نے لکھا ہے کہ اس مین یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہین، اور اس مین ملوک حمیر کے اخبار و انساب اور ان کے مقابر و اشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے، (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف الظنون نے ان کی اور ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے، کشف الظنون کی عبارت یہ ہے،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶

اول من صنف فی المغازی	مغازی مین سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے
عروۃ بن الزبیر وجمعہا ایضاً	تصنیف کی، اس کے بعد اس فن کو وہب
وھب بن منبہ	ابن منبہ نے جمع کیا،

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) مین موجود ہے، اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ درج ہے، اور راوی کا نام محمد بن بحر عن ابی طلحہ عن عبد المنعم عن ابیہ عن ابی الیاس عن وہب درج ہے، وہب نے اپنی عادت کے مطابق اس مین بھی اسناد کا استعمال نہین کیا ہے، اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین انھون نے کہین اسرائیلیات کو داخل نہین کیا ہے، (ضحی الاسلام ج ۲ ص ۳۲۳)

فضائل اخلاق وہب فطرۃً نہایت صالح تھے، دینی کتابون کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گذار بنا دیا تھا، وہ عابد شب زندہ دار تھے، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، کامل بیس سال تک انھون نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، طبیعت مین نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا،

غیر معتبر روایات لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانون مین غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت کا باعث ہوئی،

حکیمانہ مقولے حلیۃ الاولیاء مین وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہین، ان مین سے چند یہان نقل کیے جاتے ہین، فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء مین نہین ہو سکتا (ج ۴ ص ۲۵) فرمایا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے یعنی اہل ذکر مین خدا کا نور ہوتا ہے، اور اہل غفلت مین ظلمت ہوتی ہے،

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑون کی طرح ہر چیز کے دو کنارے

ہوتے ہیں، اگر ایک کو پکڑو گے تو دوسرا جھک جائیگا، اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو، تاکہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے، یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (ج ۴ ص ۳۵)

فرمایا ہر چیز ابتدا میں چھوٹی ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے، لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے، وہ ابتدا میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۴ ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اسکی مثال اس طبیب کی سی ہے جس کے پاس دوا اور شفا کا سامان موجود ہے، لیکن وہ انھیں استعمال نہیں کرتا (ج ۴ ص ۷)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں طویل قیام کرتا ہے، اور دوسرا سجدہ میں، دونوں میں کون افضل ہے، فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو (ص ۳۴)

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند (ص ۴۱)

فرمایا اگر کسی بچہ میں دو وصف موجود ہوں تو اس سے رشد و صلاح کی توقع ہے، ایک حیا، دوسرے خوف (ص ۴۶)

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے، دین کی علامت تین چیزیں ہیں، ایمان، علم اور عمل، پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں، اللہ پر، ملائکہ پر، اور اسکے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان، عمل کی بھی تین شناخت ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، علم کی تین علامتیں یہ ہیں، اللہ کا اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم، تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے، جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے، اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے میں وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے، اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پا نہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے، منافق کی شناخت

کی تین صورتیں ہیں، جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے، اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے، اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے، حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں، جن سے وہ حسد کرتا ہے، جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے، اور مصیبت کے وقت گالی گفتہ کرتا ہے، مسرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں، وہ اس چیز کو خریدتا ہے جو اس کے لائق اور اس کیلیے مفید نہیں ہے کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے، کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہیں، یعنی ہر کام میں اپنا معیار بلند کرتا ہے، (ص۱۲۹)

ان اقوال میں انھوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالدی ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے،

وفات ہشام بن عبد الملک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی،

اولاد کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن ابن ندیم نے ان کے پرنواسے عبد المنعم کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے تاریخ کی ایک کتاب "کتاب المبتدا" کے نام سے تصنیف کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں، (ص۱۳۸)

صحابیات

(۱) حضرت تمیمہؓ

نام و نسب تمیمہ نام، باپ کا نام وہب، بنو قریظہ سے نسبی تعلق تھا،[1]

اسلام اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہین مل سکی،

شادی اور طلاق کا قصہ شادی حضرت رفاعہؓ (جنکا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی، مگر نباہ نہ ہو سکا، اسی لیے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دیدیا، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بنؓ زبیر سے شادی ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بنا پر عبدالرحمٰن بنؓ زبیر سے بھی علحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئین، اور عرض کی کہ علحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے، مگر اجازت نہین ملی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت تک عبدالرحمٰن بنؓ زبیر کے ساتھ رہین، حضرت ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت ہی مین انھون نے پھر حضرت ابو بکرؓ سے علحدگی کی اجازت چاہی لیکن آپ نے بھی اجازت نہین دی، حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، تو ان سے بھی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کہ اگر اب آؤگی تو رجم کر دون گا،[2]

---

[1] آپ کے نام مین بڑا اختلاف ہے، اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہین، سہیمہ، رمیصا، امیمہ، عمیصا مگر زیادہ تر روایتوں مین عائشہ یا تمیمہ آیا ہے، اسد الغابہ ص ۱۸۱ ج ۲ [2] اسد الغابہ ایضاً

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے،

وفات | وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ رہیں،

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّىٰ	پھر اگر مرد طلاق دیدے عورت کو تو پھر اس کیلیے
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ	حلال نہ رہے گی اسکے بعد یہانتک کہ وہ اس کے
(بقرہ - ۲۹)	سوا ایک اور خاوند کیساتھ نکاح کرے،

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہؓ کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا

(۲) حضرت خالدہؓ

نام ونسب | خالدہ یا خلدہ نام، باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی چچی ہوتی تھیں،

اسلام | حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا، میں بے تابی سے اٹھا، میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، میری بیتابی دیکھکر انھوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمہیں اس سے زیادہ خوشی نہ ہوتی، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں، دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے، اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے، حضرت عبداللہؓ ابن سلام نے انھیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے، اور پھر گھر آکر گھر کے سارے افراد

کو جن میں حضرت خالدہؓ بھی شامل تھیں، اس سے بہرہ اندوز کیا،

زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی،

(۳) حضرت ریحانہؓ

نام ونسب | ریحانہ نام، باپ کا نام شمعون یا زید تھا،[1] باختلاف روایت سلسلۂ نسب یہ ہے، ریحانہ بنت شمعون بنت زید بعض روایتوں میں ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنافہ بن شمعون ابن زید ہے، قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں،[1]

نکاح | پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا، غزوۂ بنو قریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا، اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آئے تھے، ان ہی میں حضرت ریحانہؓ بھی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المنذر بنت قیس کے گھر میں ٹھہرایا،[3]

اسلام | ان سے فرمایا تمھیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لو یا اپنے مذہب (یہودیت)

[1] میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلۂ نسب ہے، اس لیے کہ ان کے والد کا شمار صحابہ میں ہے، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپکا سلسلہ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہ کے والد تھے، اسی لیے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے، وہ صحیح نہیں ہے [2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شمعونؓ کے حالات میں تفصیل آچکی ہے، حافظ ابن عبدالبر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار خزرج کے حلیف تھے، اسلیے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی انکے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں [3] ابن سعد

پر قائم رہو، انھوں نے اپنے قدیم دین پر رہنا پسند کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے اسلام نہ لانے کا بڑا رنج ہوا، اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھیں اپنے پاس رکھوں گا لیکن انھوں نے پھر انکار کیا، یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گران گزرا اور خاموشی اختیار فرمالی گئی، ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکایک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی، آپ نے فرط مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں، جو ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لیکر آرہے ہیں،[۱]

دوسری روایت ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمھیں اپنے لیے خاص کرلوں گا، اس پر حضرت ریحانہؓ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں،[۲]

ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں انھوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہوگئیں تو قبول کرلیا ہو،

قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انھیں آزاد کرکے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا، اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں،[۳]

ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انھیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل سیر اور اہل رجال نے انھیں سراری میں شمار کیا ہے، لیکن ابن اسحٰق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ

---

[۱] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳، ان کے اسلام کے سلسلہ میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے،

[۲،۳] ابن سعد ایضاً

آپ نے ان سے نکاح کیا نہیں تھا، بلکہ انھیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمالیں اور انھیں ازواج مطہرات میں شامل کرلیں، لیکن انھوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ اگر آپ اپنی ملک ہی میں رکھیں تو میرے اور آپ دونوں کے لیے آسانی ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی ملک ہی میں رکھا، (اصابہ ج ۸ ص ۲۰۹)

وفات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لیجانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا میں پہنچ گئیں،[۱]

تدفین | جنۃ البقیع میں سپرد خاک کی گئیں،[۲]

حلیہ | خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا،[۳]

قیام گاہ | ابتدا میں ام المنذر کے مکان میں ٹھہرائی گئیں، اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام گاہ رہی،[۴] اور وہیں وفات پائی،

فضائل | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی، جب وہ کوئی فرمایش کرتی تھیں تو آپ ضرور پوری کرتے تھے، ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا،[۵] اور باپردہ رہتی تھیں،

(۴) حضرت سفانہ رضؓ

نام ونسب | سفانہ نام، حضرت عدی بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں، اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ

---

[۱] بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات کے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا، (ایضاً) بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی، اصابہ ج ۸ ص ۳۰۹، [۲] اصابہ ایضاً [۳] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳ [۴] اصابہ ج ۸ ص ۳۰۹ [۵] ابن سعد ج ۸ ص ۹۳

جب اسلامی لشکر قبیلہ طے مین پہونچا تو اس وقت حضرت عدیؓ قبیلہ کے سردار تھے، وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[1]، لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئین اور وہ مسلمانون کے ہاتھ آگئین، عام قیدیون کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئین، اور ایک خاص مقام پر رکھی گئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا، تو سفانہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والا ہے، وہ اس وقت موجود نہین ہے، مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا، حضور نے پوچھا چھڑانے والا کون؟ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی حاتم تو نہین جس نے خدا و رسول سے فرار اختیار کر لیا، دوسرے دن پھر آپ کا گذر ہوا، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی، اور پھر وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ انھون نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی، اس مرتبہ قبول ہوگئی، اور رہا کر دی گئین، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھین اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا، کہ ابھی جانے مین جلدی نہ کرو، جب تمھارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کر دو، چند دنون کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ ملے، سفانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ نے ان کے شایانِ شان سواری، لباس اور اخراجاتِ سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام انکو روانہ کر دیا، یہان سے یہ براہ راست عدی کے پاس شام پہنچین، اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا، اپنے اہل و عیال کو تو لے آئے، اور مجھکو تنہا چھوڑ دیا، عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور چند دنون کے بعد عدی نے ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا رائے قائم کی، انھون نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۰

ان سے ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے، اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمان روا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[۱]

اسلام | اسلام کے بارے میں صاحب اصابہ لکھتے ہیں،

وکانت اسلمت واحسنت اسلامھا — وہ اسلام لائیں اور حسن و خوبی سے اسے نباہا،

وفات اور زندگی کے اور دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۵) حضرت سیرینؓ

حضرت سیرینؓ اور حضرت ماریہ قبطیہؓ حقیقی بہنیں تھیں، ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا، حضرت ماریہؓ تو حرم نبوی میں داخل ہوئیں، اور حضرت سیرینؓ حضرت حسانؓ مشہور صحابی و شاعر کے حبالۂ عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت عبد الرحمان بن حسانؓ پیدا ہوئے،[۲] حضرت سیرینؓ بڑی صابرا ور شاکر تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے انتقال ہوا تو حضرت ماریہ لخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں، حضرت سیرینؓ کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا، اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں،[۲]

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ رجال اور سیر کی عام کتابوں میں اسکی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں، لیکن بعض قرائن کی بنا پر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے، چنانچہ زرقانی

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰، [۲] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵

حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے،

نسبۃ الی القبط ای نصاری مصر (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ان کے ایک بھائی مابور بھی آئے تھے، ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن یہ اُس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے، اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے، ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا، مابور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

حضرت صفیہؓ [1]

نام و نسب اصلی نام زینب تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے، اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں، یہ زرقانی کی روایت ہے،

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ کا نام حیی بن اخطب تھا، جو قبیلۂ بنو نضیر کا سردار تھا، اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا، ماں جس کا نام ضرہ تھا سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی، اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے اُن تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنھوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی،

نکاح حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا،

---

[1] ان کے حالات کسی قدر اضافہ کے ساتھ حرف بحرف سیر الصحابیات اڈیشن اول مولفہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین سے منقول ہیں۔

کنانہ جنگ خیبر مین مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئین،
جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی
کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انھون نے حضرت
صفیہؓ کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت مین آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسۂ بنو نضیر
و قریظہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیسۂ عرب کیسا تھ
عام عورتون کا سا برتاؤ مناسب نہین، چنانچہ حضرت دحیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت
فرمائی، اور صفیہؓ کو آزاد کرکے خود نکاح کرلیا[1]، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا مین رسم عروسی
ادا کی[2]، اور جو کچھ سامان لوگون کے پاس تھا، اس کو جمع کرکے دعوت ولیمہ فرمائی، وہان سے
روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کرلیا، اور اپنی عبا سے ان پر پردہ
کیا، مدینہ پہنچکر آپ نے حضرت صفیہؓ کو حارثہ بن نعمان کے مکان مین اتارا، جب ازواج مطہرات
کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی
چند عورتون کے ساتھ ان کو دیکھنے آئین، حضرت عائشہؓ جب دیکھکر واپس ہوئین تو آنحضرت صلعم
نے ان سے پوچھا کیف رایتھا یا عائشۃ عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا، حضرت عائشہؓ بولین
"یہودیہ ہے"، فرمایا، یہ نہ کہو، وہ تو مسلمان ہوگئی ہین اور ان کا اسلام بہتر ہے[3]

عام حالات

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات مین حج کا سفر ہے، جو انھون نے سنہ ۱۰ھ مین
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا،

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ مین، جو سنہ ۳۵ھ مین ہوا تھا، حضرت صفیہؓ نے ان کی بیحد
مدد کی تھی، جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئین، اور ان کے مکان پر

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الفخذ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ [3] ابن سعد ج ۸ ص ۹۰

پہرہ بٹھا دیا گیا، تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انھوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہؓ نے کہا مجھکو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں مین واپس جاتی ہون، تم خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئین تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لیجاتے تھے،[1]

وفات | حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ مین وفات پائی، اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین، اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی، ایک لاکھ ترکہ چھوڑا، اور ایک ثلث کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئین،[2]

حلیہ | کوتاہ قامت اور حسین تھین،[3]

فضل وکمال | حضرت صفیہؓ سے چند حدیثین مروی ہین، جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے،

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ مین علم کا مرکز تھین، چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئین تو کوفہ کی بہت سی عورتین مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھین، صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا، اس لیے انھون نے کوفہ کی عورتون سے سوال کرائے، ایک فتوی نبیذ کے متعلق تھا، حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولین، اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہین،[4]

اخلاق | حضرت صفیہؓ مین بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ مین ہے،

[1] اصابہ ص ۱۲۷ ج ۸ بحوالہ ابن سعد [2] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳ [3] صحیح مسلم ص ۵۰۵ ج ۱ [4] مسند ص ۳۳۷ ج ۶
[5] اسد الغابہ ص ۴۹۰ ج ۵

كانت عاقلة من عقلاء النساء — وہ نہایت عاقلہ تھیں

زرقانی میں ہے،[1]

كانت صفية عاقلة حليمة فاضلة — یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں،

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوۂ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کیساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھی تھی، حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گذریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں، اور انکی جبینِ تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی،

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا. ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں،

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے، وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں، اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا، حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے، البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں، وہ میرے خویش و اقارب ہیں، اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھکو شیطان نے بہکا دیا تھا" حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا[4]

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی، چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش! آپ کی بیماری مجھکو ہو جاتی" ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ سچ کہہ رہی ہیں"[5] (یعنی اسمیں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)

---

[1] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷ [3] زرقانی ص ۲۹۶ ج ۳ بحوالہ ابن سعد) [4] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے : یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آپ کو آج کی اپنی باری، جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے، دیتی ہوں، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر دیں، حضرت عائشہؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے" اس کے بعد واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی، اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں، حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا، حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دیدو، انھوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے،[2] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دیجائے تو اس میں مل جائے،[3] (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپ نے رونے کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا کہ عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ "ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں"، آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہ کہدیا کہ "ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں، اسلئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"[4]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۱۴۵ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد [3] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳ [4] صحیح ترمذی ص ۶۳۹

سفر حج مین حضرت صفیہ ؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا، اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہین، آپ نے ردا، اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے، اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھین،[1] آخر کار آپ نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا،[2]

حضرت صفیہ ؓ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھین، چنانچہ جب وہ ام المومنین بنکر مدینہ مین آئین تو حضرت فاطمہ ؓ اور ازواج مطہرات کو اپنی سونے کی بجلیان تقسیم کین،[3]

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھین، حضرت عائشہ ؓ کے گھر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انھون نے پیالہ مین جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ مین آیا ہے،

حضرت ماریہ قبطیہ ؓ[4]

نام و نسب ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت، قبطیہ انکی قومی نسبت تھی، مصر کے ایک ضلع انصا یا انس کا ایک گاؤن حفن انکا آبائی وطن تھا،

خدمت نبوی مین آمد سنہ ۶ ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے شاہان وقت کو جو خطوط لکھے تھے، ان مین ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حاطب ابن بلتعہ لیکر مصر گئے تھے، مقوقس نے اسلام قبول نہین کیا، لیکن حضور کے پیامبر کی بڑی پذیرائی کی، اور قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دو لڑکیان جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے، خدمت نبوی مین تحفۃً بھیجین،[5] ان لڑکیون مین ایک تو سیرین تھین جن کا ذکر آچکا ہے، دوسری

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ [2] مسند ج ۶ ص ۳۳۷ [3] زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ [4] حضرت ماریہ کے نام کیساتھ قبطی کی نسبت ہی اگرچہ انکی عیسائیت کی دلیل کے لیے کافی تھی، لیکن مین نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرائن کی بنا پر انکو اس فہرست مین داخل کیا ہے، سیرین کے حالات مین اسکی تصریح آچکی ہو [5] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۱

یہی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں،

اسلام حضرت ماریہؓ مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئی تھیں، اس لیے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھیں، حضرت حاطبؓ نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا، حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے،

قیام گاہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہ بن نعمانؓ کے مکان میں ٹھہرایا گیا، اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون میں فرق نہ آئے) وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربۂ ام ابراہیم کے نام مشہور ہے، منتقل کر دیا۔[1]

سنہ ۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا جس سے حضرت ماریہؓ کا خاص تعلق ہے، اسکی تفصیل آخر میں آئے گی،

عہد صدیقی و فاروقی حضرت ماریہؓ گو ازواج مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان نفقہ کا خیال کرتے رہے، حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی انکے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا،

وفات حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم سنہ ۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا،[2]

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۰ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۶، بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے ۵ برس بعد انکی وفات ہوئی، اس حساب سے انکی وفات سنہ ۱۶ھ میں ہوئی، لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اسلیے کہ سنہ ۱۶ھ کے پہلے مہینہ محرم میں انکی وفات ہوئی ہے اس لیے ۵ برس بتانے میں غلط نہیں ہے،

تدفین حضرت عمرؓ کو ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انھون نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا، اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، مدینہ کے عام قبرستان بقیع مین سپرد خاک کی گئین[1]

اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی اولادین ہوئین وہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئین ان کے بعد صرف حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور ۱۷-۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بیحد غم ہوا تھا،

حلیہ قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا، بال نہایت گھنے اور خوبصورت تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہین[2]

رقت قلب نہایت رقیق القلب تھین حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کیوجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہین رہا، اور بے اختیار ہوکر رونے لگین[3]

فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہؓ سے بیحد محبت تھی، اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد و رفت بہت زیادہ رہتی تھی، گو وہ کنیز تھین، لیکن ازواج کیطرح انکو بھی آپ نے پردہ مین رہنے کا حکم دیا تھا[4] ان کے فضل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے کہ

استوصوا بالقبط فان لهم ذمة	قبطیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو،
ورحما وفي رحمهم ان ام اسمٰعيل بن	اسلیے کہ ان سے عہد اور نسب دونون کا تعلق ہے،
ابراهيم وام ابراهيم بن النبي	ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی والدہ
منهم (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴)	(حضرت ہاجرہ) اور میرے لڑکے ابراہیم دونون کی ماں
	اسی قوم سے ہین (اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہوچکا ہے)

[1] اصابہ [2] ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۳ [3] ایضاً ص ۱۵۵ [4] جاریات یعنی کنیزون کیلیے پردہ کی ضرورت نہین [5] اصابہ و ابن سعد

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے

وکانت ماریۃ ھذہ من الصالحات الخیرات الحسان (البدایۃ ج۵)

اور ماریہ نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں،

ایلاء

۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض خانگی اور ازدواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی تھی، اسی واقعہ کو ایلاء کہتے ہیں، جن اسباب کی بنا پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا، اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے، اور انھوں نے ایکدوسرے سے بہت متضاد اور متخالف باتیں کہی ہیں،

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلاء کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ صرف حضرت ماریہؓ اور حضرت حفصہؓ کا معاملہ تھا، روایتوں میں دونوں واقعے خلط ملط ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی، اب ہم اسکی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہوجائے،

بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی، اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتی تھیں، ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا، اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گران گذرتا تھا، اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبۂ رشک و مسابقت بھی موجود تھا، اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہوجایا کرتی تھی، اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہؓ بھی مبتلا ہوگئیں، جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے، تو حضرت حفصہؓ موجود نہیں تھیں، اس اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں، باتیں کرنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد

حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا، اور حضورؐ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کرتے ہیں،[1] اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ سے کنارہ کشی کا عزم کرلیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غصہ میں بات کی، اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیحدگی کی قسم کھالی جس پر سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں،

لیکن صحیح یہ ہے کہ سورۂ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کرلینے کی وجہ سے نازل ہوئیں لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ ایلا کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کرلی تھی، اور دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے،

ان تکون الآیۃ نزلت فی السببین — ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں،[2]

بہر حال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اور ایلا کے واقعہ میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے،

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں ان سب پر جرح کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے، لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہؓ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفس واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا، انھوں نے اس سلسلہ میں دو تین باتیں کہی ہیں، ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، دوسرے

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳

یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے، تیسری یہ کہ یورپ کے اکثر مورخون نے اسی قسم کی روایتون کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر حرف گیریان کی ہین،

(۱) صحاح کی پانچ کتابون مین تو یہ روایت یقیناً نہین ہے، لیکن نسائی باب الغیرۃ مین حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے، اگرچہ اس مین بھی حضرت ماریہؓ کا نام نہین ہے لیکن روایت کے سیاق و سباق اور دوسرے قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس روایت مین چار[1] راوی ہین، اور ان مین سے کسی کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہین کیا گیا ہے،

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی اپنی مستدرک مین نقل کی ہے، اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انسؓ اور ثابت البنانی ہین، لیکن اس کے بعد کے چار راوی دوسرے ہین حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے

ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم (ص ۴۹۳ ج ۲)	یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے،

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص مین اس روایت پر کوئی جرح نہین کی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت مین کوئی سقم نہین ہے،

نسائی اور مستدرک مین ماریہ کے حضرت حفصہؓ کے گھر مین موجود ہونے کا کوئی ذکر نہین ہے، اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے، بزار کی روایت کے متعلق حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد مین لکھا ہے کہ

[1] ابراہیم اور ان کے والد یونس، حماد بن سلمہ، ثابت بن اسلم البنانی، تہذیب مین ان سب کا تذکرہ موجود ہے ائمہ رجال نے ان مین سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہین دیا ہے،

رجال البزار رجال الصحيح	بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں'
غیر بشر بن آدم الاصغر وھو ثقۃ	بجز بشر بن آدم کے، لیکن ان کے ثقہ ہونے
(ج ۷، ص ۱۲۶)	مین کوئی کلام نہین ہے،

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بعض اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ھذہ طرق یقوی بعضھا بعضاً، یہ روایت بہت سے طریقون سے مروی ہے، اور ان مین ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے، (یعنی غیر صحیح نہین ہے)

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے،

ولم تات قصۃ ماریۃ من	ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہین
طریق صحیح	ہے،

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، ابوبکر ہیثمی، امام ذہبی اس کی صحت کے قائل ہین، حدیث کے بارے مین امام نووی کی رائے یقیناً بہت وقیع ہے، لیکن ان کے مقابلہ مین دوسرے بزرگون کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہین کیا جاسکتا،

حافظ ابن کثیر نے آیت کے سبب نزول کے بارے مین تو یہ ضرور لکھا ہے کہ

ان ذلک فی تحریمہ العسل	آیت کے نزول کا سبب آپ کا شہد کو حرام کرلینا تھا،

لیکن حضرت ماریہؓ کے نفس واقعہ سے انھون نے انکار نہین کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) ایلاء کا مشہور واقعہ جس مین آپ نے ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور حضرت ماریہؓ کا واقعہ دونون الگ الگ ہین، حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتون کے مطابق حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونون سے تھا۔

(۲) سورہ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور بعضوں نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو،

(۳) حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے، یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات کا شمول نہیں ہے، چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں،

(۴) اگر امام نووی نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے،

(۵) اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی و نزاہت اخلاق پر جس کا سارا زمانہ گواہ ہے، کہاں حرف آسکتا ہے، قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپکے زمانہ کے دشمنون نے کی ہے، لیکن یورپ کو آپ مین (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر ہی نہین آتی، آپکے معیار اخلاق پر حرف گیری کیلیے تو اس قسم کی روایات تو الگ رہین، جنکا بیشتر حصہ موضوع، جعلی، ناقابل اعتبار ہے، خود تعدد ازدواج اور کنیزون سے انتفاع جنسی جیسے مسلّم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا ہے

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است ‘ ان کے مقابلہ مین سکوت ہی اولی تر ہے،

بہرحال کسی روایت کو اس نقطۂ نظر سے نہین دیکھنا چاہیے کہ اس سے غیرون کو اعتراض کا موقع ملتا ہے، پھر اگر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازدواجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور یہ پیش نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت مین متعدد ازواج کیساتھ جاریات بھی تھین، تو اس مین کوئی قابل اعتراض

بات نظر نہین آئی، صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائے تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آجائے گی،

(۶) جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اس دن حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا، لیکن اس روز وہ گھر مین موجود نہین تھین، بعض روایتون مین ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول ان کے یہان تشریف لے گئے، تو مکان خالی پایا، حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گذر چکا ہے، حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی مین رہتی تھین، قیاس ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہون گی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے گفتگو فرمانے لگے ہونگے، اس اثنا مین حضرت حفصہؓ آگئین، انھون نے آنحضرتؐ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھکر بتقاضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا، اور آنحضرت صلعم نے انکی خاطر کچھ دنون کیلیے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی، تو اس مین کونسی بات عقلی یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے، یا اس مین ازدواجی نقطۂ نظر سے کونسا استبعاد نظر آتا ہے،

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ

امام بخاریؒ نے ادب المفرد مین ایک باب "عرض الاسلام علی ام النصرانیۃ" باندھا ہے جسکے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے، پورا واقعہ یہ ہے، ابو کثیر بیان کرتے ہین،

سمعت اباھریرۃ یقول ما سمع	مین نے ابوہریرہ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ
بی احد یھودی ولا نصرانی الا	جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی کہ مین اپنی والدہ کو
احبنی ان امی کنت اریدھا	حلقۂ اسلام مین لے آنا چاہتا ہون مگر وہ انکار کرتی ہین

علی الاسلام فتابنی (اور میں برابر ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا)

تو اس نے میرے اس طرز عمل کو پسند کیا،

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام کا ذکر موجود ہے، مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے، ارباب رجال نے بھی "ام ابی ہریرہ" کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، مگر امام بخاری نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے، اس لیے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ کا نسبی تعلق قبیلۂ دوس سے تھا، جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا، اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد و ممتاز قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی اسلیے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو، جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں، جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے، واللہ اعلم بالصواب

تابعات

تماضر

نام و نسب | تماضر نام تھا، حضرت اصبغ تابعی کی جو دومۃ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے، صاحبزادی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کیلیے بھیجا تھا، اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبغ مشرف بہ اسلام ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے انھوں نے

لہ ان کا تذکرہ اوپر آچکا ہے،

حضرت عبد الرحمنؓ سے تماضر کا نکاح کر دیا حضرت عبد الرحمنؓ کچھ دن دومۃ الجندل ہی میں رہے پھر وہاں
اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے،

تماضر انکے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی جس
وجہ سے حضرت عبد الرحمنؓ نے انھیں اپنے حبالہ عقد سے آزاد کر دیا، انکی وفات کے بعد انھوں نے حضرت زبیرؓ سے
شادی کر لی لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی،

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں تو کہیں انکا تذکرہ نہیں ملتا لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس حیثیت
انکا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انھیں حضرت عبد الرحمنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا،

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ رہیں،

اولاد | حضرت عبد الرحمنؓ کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابوسلمہ تھے،

ام محمد القرظی

اہل رجال نے صحابیات یا تابعات کے ذکر میں انکا نام نہیں لیا ہے لیکن اصابہ اور صفوۃ الصفوۃ کی
بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہونگی لیکن انکا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا، اس لیے ان کا
تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے،

حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھیں، وہ روایت
یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں سے ایک بڑا عالم پیدا ہوگا، تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں
دو کاہنوں سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں، محمد بن کعب کے والد تو بنو قریظہ سے تھے، اور انکی والدہ ام محمد بنو نضیر سے
بہرحال اس روایت کی بنا پر انکا نام اس فہرست میں داخل کر لیا گیا ہے زندگی کے اور حالات معلوم نہیں

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

ضمیمہ

مقدمہ سے متعلق بعض چیزون کے تلاش و تفحص کے سلسلہ مین، کتابون مین چند اور اہل کتاب
بزرگون کے نامون پر نظر پڑی، جو عہد نبوی مین اسلام لا چکے تھے، مگر چونکہ اس وقت تک کتاب
چھپ چکی تھی، اس لیے ان کا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر مین شامل کتاب کیا جاتا ہے،

فروہ بن عمرو حاکم معان

فروہ معان اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ مین قیصر روم کے عامل تھی،
ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہین بھیجی گئی، مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی
اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس و پیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے،
اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی
اطلاع دی، اور متعدد سواریان، عمدہ چادرین اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس مین تحفۃً بھیجین،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دیکر
رخصت فرمایا،

فروہ کے اسلام لانے کا معان اور اس کے ملحقہ علاقون مین جہان کے وہ حاکم تھے
کیا رد عمل ہوا، اس کا ذکر کتابون مین نہین ملتا، مگر ظاہر ہے کہ ایک حاکم کی حیثیت سے
ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا، بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے
قبول کیا ہوگا، اور کتنون کے عقائد و ایمانیات مین تزلزل آگیا ہوگا، جس کو قیصر روم
برداشت نہین کر سکتا تھا، چنانچہ جونہی اس کو ان چیزون کی اطلاع ہوئی، اس نے فروہ
کو دھوکے سے دربار مین طلب کیا، پہنچتے ہی ان کو حبس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنا دیا گیا،

جسے انھون نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا، اور اسی قید کی حالت مین جان جان آفرین
کے سپرد کر دی، قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوا دی[1]
اس کی تصریح نہین ملتی کہ وہ نصرانی تھے، مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے، جو
معان کے قریب آباد تھا، اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا، اس
بنا پر وہ بھی نصرانی رہے ہون گے، دوسرے معان چونکہ بری و بحری دونون حیثیتون سے
بڑا اہم مقام تھا اسلیے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس
نہین ہو سکتا،

ذوالکلاع اور ذوعمرو یہ دونون بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگون مین سے تھے
جن کے ہاتھ مین حکومت تو نہین تھی، مگر اس کا اثر ان مین باقی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی کو اسلام کا پیغام دیکر، ان کے پاس بھیجا، ایک دن حضرت
جریرؓ ان کو احادیث نبوی سنا رہے تھے، کہ ذوعمرو نے کہا تم جن کی حدیثین سنا رہے ہو ان کا
تو انتقال ہو گیا، جریر یہ اندوہ ناک خبر سنتے ہی وہان سے روانہ ہو گئے، راستہ مین کچھ سوار ملے
جن سے اس کی تصدیق ہو گئی، حضرت جریرؓ وہین سے پھر واپس لوٹ آئے، اور ان دونو
آدمیون نے انکے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت
فاروقؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیجدیا،

محمد بن حبیب نے ذوعمرو کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب و
عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہین کی ہے، مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت

[1] ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے، زرقانی وغیرہ مین ہے کہ ان کو سولی دیکر شہید کر دیا گیا، ابن سعد
ج ۲، ق ۲ ص ۸۳، زرقانی ج ۴ ص ۷۵،

کے ثبوت کے لیے کافی ہے،

غسان | عہدِ نبوی مین غسانیون کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابون مین نہین ملتا، مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کیے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالبا سنہ ۱۰ھ مین) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس مین آئے اور دیکھکر آپ جو تعلیم لائے ہین وہ حق ہے، مشرف باسلام ہو گئے، جب واپس جانے لگے تو حضور نبوی مین عرض کیا کہ جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، اُس کو ہم اپنی قوم کے پاس لیے جا رہے ہین، معلوم نہین وہ قبول کرے گی یا نہین، پھر انھون نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظون مین نقشہ کھینچا:

وهم يحبون بقاء ملكهم و قرب قيصر — انکا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقا اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا، وطن پہنچے تو اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، مگر اس کے دل و دماغ پر مادیت کے اتنے تو بر تو پردے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکی، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئی،

غسانیون نے ان داعیان حق کے ساتھ اگر کچھ برا سلوک بھی کیا ہو تو کوئی تعجب نہین ہے، اس لیے کہ وہ رومیون کے زیر اثر تھے، اور رومی اپنے مقبوضات مین اسلام قبول کرنے والون کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے، فروہ بن عمرو کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ان ہی بدسلوکیون اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا، اور دعوت ترک کر دی، ان مین سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت مین جان بحق ہو گئے، اور ایک صاحب

عہد فاروقی تک زندہ رہے، اور جنگ یرموک کے دن حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں آئے، اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی، حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا[۱]

بنو تغلب بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے، مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے کہ ایک تغلبی بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئے، آپ نے انھیں شرائع اسلام سکھائے، اس کے بعد انھوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے، ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں،[۲]

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی، مگر بنو تغلب کے متعلق آچکا ہو کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا،

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اہل وطن مومنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کر لیں، ان پر بھی جزیہ لگتا ہے، مگر آپ نے اسکی نفی فرما دی،

---

[۱] زرقانی ص ۳۱، ابن سعد ج ۱ ص ص ۷۱

[۲] ابن سعد ج ۷ ص ۳۹، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۰

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۷۷)

115

اہل کتاب صحابہ و تابعین

جس میں

ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعینؒ اور تابعیاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے، اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور انکی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

مرتبہ

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام مولانا مسعود علی ندوی

معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی

۱۹۵۱ء